بنگال اور ہندوستان میں نکاحوں کے بارے میں کوتاہی کو مٹانے والا

# ماحی الضلالۃ فی انکحۃ الھند وبنجالۃ

۱۳۱۷ھ

تصنیف لطیف از

اعلیٰ حضرت، مجدد امام احمد رضا

ALAHAZRAT NETWORK
اعلحضرت نیٹ ورک
www.alahazratnetwork.org

## رسالہ

# ماحی الضلالۃ فی انکحۃ الھند وبنجالہ

۱۳۱۷ھ

## (بنگال اور ہندوستان میں نکاحوں کے بارے میں کوتاہی کو مٹانے والا)

www.alahazratnetwork.org

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

**مسئلہ** ۱۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۱۷ ہجریہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ فی زمانہ جو کہ عقد ہوتے ہیں کہ ایک شخص غیر کو ولی ہندہ نے وکیل قرار دے کر اور وہ شخص اور ہمراہ اُس کے واسطے گواہی کے مقرر کے واسطے اجازت لینے نکاح کے ہندہ کے پاس بھیجے وہ شخص کسی کا سر اور کسی کا پاؤں کچلتا ہوا ہنگامۂ مستورات میں جاکر قریب ہندہ کے جیٹھا اور یہ کلمات کہے کہ تو بکر کو واسطے عقد اپنے کے وکیل کر دے وہ بے چاری بباعث رواج اس ملک اور شرم کے گونگی ہوتی ہے، اکثر مستورات اس کو فہمائش کرتی ہیں مگر وہ نہیں جواب دیتی اور بعض بعض کچھ گریہ یا "ہوں" کا اشارہ کر دیتی ہیں، بعدہ وکیل صاحب باہر تشریف مع دونوں گواہوں کے لاکر دولھا کے روبرو آکر بیٹھتے ہیں اور دولھا کے ایک شخص اور، کہ دعوٰی قضا کا رکھتے ہیں اور پیشہ کفش دوزی یا خیاطی یا نور بافی کا کرتے ہیں وہ بھی بیٹھے ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جو کہ وکیل صاحب مع گواہوں کے تشریف لائے تھے وہ قاضی صاحب سے سلام علیک کرکے روبرو دولھا کے بیٹھ گئے، قاضی صاحب نے وکیل صاحب کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ آپ کا آنا کہاں سے ہوا، وکیل صاحب نے در جواب اس کے ارشاد کیا کہ دختر فلاں نے واسطے عقد اپنے کے مجھ کو وکیل مقرر کرکے

بھیجا ہے اور میری وکالت کے یہ دونوں شخص گواہ ہیں آپ اس کا عقد نوشہ ہذا کے ساتھ کر دیجئے۔ قاضی صاحب نے بعد طے ہونے گفتگو عقد اور تعیین مہر مبلغ ایک لاکھ روپے اور بیس دینار سرخ سوائے نان نفقہ کے نوشہ کی طرف متوجہ ہوکر خیال کیا کہ کنگنہ جو ہاتھ میں دُولہا کے بندھا تھا وہ کھول کر علیحدہ رکھ دیا اور سہرا کو لوٹ کر شملہ پر لپیٹ دیا اور یہ کلمات فرمائے کہ فلاں شخص کی دختر کو بوکالت فلاں شخص اور بہ گواہی فلاں فلاں شخص کے بالعوض اس قدر مہر سوائے نان نفقہ کے بیچ نکاح تیرے کے دی میں نے، قبول کی تُو نے۔ اس نے کہا قبول کی میں نے۔ بعد کو وکیل صاحب مع گواہوں کے چلے گئے، اور قاضی صاحب بھی اپنا حق نکاح خوانی مع دو رکابی پلاؤ کے لے کر تشریف لے گئے۔ دُولہا نے وہ کنگنہ پھر اپنے ہاتھ میں باندھ لیا، آیا یہ نکاح درست ہوا یا نہیں؟ اور جو کہ اولاد ہُوئی وہ حرام کی ہوئی یا حلال کی ہُوئی؟ اور قول زید کا یہ ہے کہ نکاح درست نہیں ہوا اور جو کہ اولاد ہُوئی وہ حرامی ہُوئی اور شناخت حرام اور حلال کی یہ ہے کہ جو اولاد ایسے نکاحوں سے ہوتی ہے اُن سے اکثر یہ فعل سرزد ہوتے ہیں جیسے زنا یا شراب خوری یا قمار بازی یا لواطت، سوا اس کے جو فعل ناشائستہ ہیں وہ سرزد ہوتے ہیں یا کہ والدین سے جنگ جدال کرنا اور بزرگ کا لحاظ پاس نہ کرنا، یہ فعل اولاد صالح اور حلال سے ہرگز عمل میں نہیں آئیں گے۔ اور قول عمرو کا یہ ہے کہ کچھ اس نکاح میں قباحت نہیں اور نہ اولاد حرام ہوسکتی ہے کیونکہ قدیم سے یہی رسم چلی آتی، اگر ایسا ہو تو سب مخلوق خدا حرامی ہوگی۔ آیا قول زید کا درست یا عمرو کا؟ اور قول زید کا یہ ہے کہ بالفرض کنگنہ بھی نہیں ہے اور نکاح بھی اصالۃً یا وکالۃً یا کہ جو وکیل ہے اسی نے ایجاب قبول کرایا اور بعد اس کے کلمات کفر کے طرفین سے خواہ شوہر یا عورت سے سرزد ہُوئے اور ان کو تمیز نہیں ہے کہ یہ کلمات کفر ہیں جب بھی نکاح جاتا رہے گا اور جو قبل از توبہ اور سرِ نَو ایجاب قبول کرنے کے اولاد ہوگی وہ بھی حرامی ہوگی۔ بینوا توجروا من اللہ۔

## الجواب

ظاہر ہے کہ عورت سے اذن بھی لیا جاتا ہے کہ عاقلہ بالغہ ہو، اور بیشک عاقلہ بالغہ کا اذن شرعاً معتبر اور بیشک دوشیزہ کا سکوت بھی اذن۔

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم البکر تستأذن فی نفسھا واذنھا صماتھا[1]۔ رواہ احمد والستۃ

رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے فرمایا: باکرہ لڑکی سے اس کی ذات کے بارے میں اجازت لی جائے اور اجازت کے جواب میں خاموشی باکرہ کی

---

[1] صحیح مسلم باب استیذان الثیب فی النکاح بالنطق والبکر بالسکوت قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۴۵۵

الاالبخاری عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما۔

اجازت ہوگی۔ امام احمد نے اور صحاح ستہ میں ماسوائے بخاری کے سب کو ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔ (ت)

مگر یہ اسی وقت ہے جبکہ ولی اقرب اس سے اذن لے ورنہ مجرد خاموشی اذن نہ ٹھہرے گی۔ درمختار میں ہے:

فان استاذنہا غیر الاقرب کاجنبی او ولی بعید فلاعبرۃ لسکوتہا[1] الخ۔

اگر باکرہ سے ولی اقرب کا غیر مثلاً کوئی اجنبی یا ولی بعید اجازت طلب کرے تو یہاں باکرہ کی خاموشی رضا میں معتبر نہیں الخ (ت)

اور بیشک اکثر لوگ جو وکیل کے جاتے ہیں اجنبی یا ولی بعید ہوتے ہیں تو ایسی حالت میں اگر انھوں نے اذن لیا اور دوشیزہ نے سکوت کیا تو سرے سے انھیں کے لیے وکالت ثابت نہ ہوئی اور اگر اس نے صاف "ہوں" کہہ دیا یا ولی اقرب کے اذن لینے پر سکوت کیا تو اس کے لیے وکالت حاصل ہوگئی مگر وکیل بالنکاح کو شرعاً اتنا اختیار ہے کہ خود نکاح پڑھا دے نہ کہ دوسرے کو پڑھانے کی اجازت دے جب تک ماذون مطلق یا مامور احد دوسرے کو وکیل کرنے کا مجاز نہ ہو بغیر اس کے اگر اس نے دوسرے سے پڑھوایا تو صحیح مذہب پر نکاح بلا اذن ہوگا اگرچہ عقد اس کے سامنے ہی واقع ہو،

www.alahazratnetwork.org

فی ردالمحتار عن العلامۃ الرحمتی عن العلامۃ الحموی عن کلام الامام محمد فی الاصل ان مباشرۃ وکیل الوکیل بحضرۃ الوکیل فی النکاح لاتکون کمباشرۃ الوکیل بنفسہ بخلافہ فی البیع[2] الخ اقول نص الغمز عن الولوالجیۃ ھکذا الوکل رجلا فوکل الوکیل غیرہ وفعل الثانی بحضرۃ الاول فان کان بیعا اوشراء یجوز وما عدا البیع والشراء من الخصومۃ والتقاضی والنکاح والطلاق وغیر ذٰلک

ردالمحتار میں علامہ رحمتی نے علامہ حموی کے حوالے سے اصل (مبسوط) میں ذکرشدہ امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کا کلام نقل کیا ہے کہ نکاح میں خود وکیل کی موجودگی میں وکیل کی بات معتبر نہیں ہے، بیع کا معاملہ اس کے برخلاف ہے اقول میں کہتا ہوں کہ غمز نے ولوالجیہ سے یوں نقل کیا ہے کہ اگر کسی نے کسی کو اپنا وکیل بنایا اور وکیل نے کسی دوسرے کو اپنا وکیل بنالیا اور اگر دوسرے وکیل نے پہلے وکیل کی موجودگی میں عمل کیا تو ایسی صورت میں اگر بیع وشراء کا معاملہ ہو تو جائز ہے اور اس کے علاوہ دیگر امور مثلاً عدالتی مطالبہ، نکاح،

---

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۲
[2] ردالمحتار " دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۰۰

ذكر عصام في مختصره انه يجوز وذكر محمد في الاصل انه لا يجوز فانه قال اذا فعل الثاني بحضرة الاول لم يجز الا في البيع والشراء وهو الصحيح[1] اه ملخصا، فاذا كان هذا هو مفاد الاصل وقد ذيل بالتصحيح فانقطع الخلاف واضمحلت الرواية النادرة وسقط ما في الخانية فكيف بما في القنية وان ايده العلامة الطحطاوي وتركه علامة البحر في البحر والمحقق العلائي في الدر مشكلا ولا غرو فقد شهدت كلماتهم رحمهم الله تعالى انهم لم يطلعوا اذ ذاك على كلام الاصل اصلا حيث لم يلموا به الماما ولا اشتموا منه اشماما، ولكن العجب من خاتمة المحققين العلامة الشامي قدس سره السامي حيث اورد كلام الاصل ثم لم يعرج الا باستظهار عدم الجواز مريدا به عدم النفاذ اذ العقد عقد فضولي فكانه اقتصر على النقل عن العلامة مصطفى ولو راجع الغمز لرأى تصحيح الامام الولوالجي بما في الاصل ومعلوم ان

طلاق وغیرہ ہوں تو عصام نے اپنی مختصر میں ذکر کیا ہے کہ ان امور میں بھی اس کا عمل جائز ہے اور امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے اصل میں ذکر کیا ہے کہ یہ جائز نہیں ہے تو یوں فرمایا کہ اگر دوسرا وکیل پہلے وکیل کی موجودگی میں عمل کرے تو بیع وشراء کے علاوہ میں جائز نہیں ہے اور یہی صحیح ہے اھ ملخصا۔ جب اصل (مبسوط) کا مفاد یہی ہے اور اسی ضمن میں اس کی تصحیح کردی گئی ہے تو اس کا خلاف ختم اور نادر روایت کمزور ثابت ہوگئی اور خانیہ کا بیان ساقط ہوگیا، تو اب قنیہ کے بیان کی کیا حیثیت ہے اگرچہ علامہ طحطاوی نے اس کی تائید کی ہے اور پھر اس کو علامہ بحر نے بحر میں اور محقق علائی نے دُر میں باعث اشکال قرار دیا ہے اور کوئی بعید نہیں ان حضرات نے اصل کے بیان پر اطلاع نہ پائی ہو جیسا کہ ان حضرات کے کلام سے عیاں ہو رہا ہے کہ انھوں نے اصل کے مضمون کو چھوا تک نہیں ہے لیکن علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے بارے میں تعجب ہے کہ انھوں نے اصل کے بیان کو ذکر کرنے کے باوجود عدم جواز کے اظہار کے علاوہ کچھ تعرض نہ فرمایا حالانکہ وہ اس کے نفاذ کے خواہاں نہیں ہیں کیونکہ دوسرے وکیل کا نکاح میں یہ عمل عقد فضولی ہے معلوم ہوتا ہے کہ علامہ شامی نے علامہ مصطفٰی کی نقل کو کافی سمجھا اور اگر وہ غمز کی طرف رجوع کرتے تو امام ولوالجی کا اصل کی عبارت کو صحیح قرار دینا دیکھ لیتے

www.alahazratnetwork.org

[1] غمز عیون البصائر شرح الاشباہ والنظائر کتاب الوکالۃ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/۱۱

روایة الاصول اذا صححت سقطت کل روایة سواها فکان السبیل الجزم دون مجرد الاستظهار، واللّٰه ولی التوفیق۔

کیونکہ یہ بات مسلّمہ ہے کہ جب اصول کی روایات کی تصحیح ہوجائے تو باقی تمام روایات ساقط قرار پاتی ہیں اس لیے مناسب تھا کہ علامہ شامی صرف اظہار کی بجائے اپنے جزم کو کام میں لاتے، اور اللہ تعالٰی ہی توفیق کا مالک ہے۔ (ت)

بہرحال مذہب راجح پر نکاح نکاحِ فضولی ہوتے ہیں اور نکاحِ فضولی کو مذہب حنفی میں باطل جاننا محض جہالت و فضولی بلکہ باجماعِ ائمہ حنفیہ رضی اللہ تعالٰی عنہم منعقد ہوجاتا ہے اور اجازت اصیل پر (کہ یہاں وہ عورت ہے جس کے بے اذن اُس کا نکاح غیر وکیل نے کردیا) موقوف رہتا ہے اگر وہ اجازت دے نافذ ہوجائے اور رد کردے تو باطل،

کما ھو حکم تصرفات الفضولی جمیعا عندنا کما صرح بہ فی عامة کتب المذھب۔

جیسا کہ فضولی کے تمام تصرفات کا ہمارے ہاں حکم ہے جس کی تمام کتبِ مذہب میں تصریح ہے۔ (ت)

عالمگیری میں ہے:

لایجوز نکاح احد علٰی بالغة صحیحة العقل من اب اوسلطان بغیر اذنها بکرا کانت او ثیبا فان فعل ذٰلک فالنکاح موقوف علٰی اجازتها فان اجازته جاز وان ردته بطل کذا فی السراج الوهاج۔[1]

عاقلہ بالغہ کی مرضی کے خلاف باپ یا حاکم کا کیا ہوا نکاح اس کی اجازت کے بغیر جائز نہیں ہوگا خواہ وہ عاقلہ بالغہ باکرہ ہو یا ثیبہ۔ اگر ایسا ہوا تو اس کی اجازت پر موقوف ہوگا، وہ جائز قرار دے تو جائز ہوگا ورنہ اگر رد کردے تو وہ نکاح باطل ہوجائیگا' سراج وہاج میں یونہی ہے۔ (ت)

پھر اجازت جس طرح قول سے ہوتی ہے مثلاً عورت خبر نکاح سُن کر کہے میں نے جائز کیا یا اجازت دی یا راضی ہوئی یا مجھے قبول ہے یا اچھا کیا یا خدا مبارک کرے الی غیر ذٰلک من الفاظ الرضا (علاوہ ازیں تمام وہ الفاظ جو رضا پر دلالت کرتے ہیں۔ ت) یونہی اس فعل یا حال سے بھی ہوجاتی ہے جس سے رضامندی سمجھی جائے مثلاً عورت اپنا مہر مانگے یا نفقہ طلب کرے یا مبارکباد لے یا خبر نکاح سُن کر خوشی سے ہنسے یا مسکرائے یا اپنا جہیز شوہر کے گھر بھجوائے یا اس کا بھیجا ہوا مہر لے لے یا اسے بلا جبر و اکراہ اپنے ساتھ جماع یا بوس و کنار و مساس کرنے دے یا تنہا مکان میں اپنے ساتھ خلوت میں آنے دے یا اس کے

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب النکاح الباب الرابع فی الاولیاء نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۸۷

کام خدمت میں مشغول ہو جبکہ نکاح سے پہلے اس کی خدمت نہ کیا کرتی ہو و نحو ذلك من كل فعل يدل على الرضا (اور یونہی اس قسم کے تمام وہ افعال جو رضامندی پر دلالت کرتے ہیں۔ ت) ان سب صورتوں میں وہ نکاح کہ موقوف تھا جائز و نافذ و لازم ہو جائے گا۔ عالمگیری میں ہے:

كما يتحقق رضاها بالقول كقولها رضيت وقبلت واحسنت واصبت وبارك الله لك اولنا ونحوه يتحقق بالدلالة كطلب مهرها ونفقتها وتمكينها من الوطء وقبول التهنئة والضحك بالسرور من غير استهزاء كذا في التبيين[1]۔

جیسا کہ، میں راضی ہوں، میں نے قبول کیا، تُو نے اچھا کیا، تُو نے درست کیا، اللہ تعالٰی تجھے برکت دے یا ہمیں برکت دے جیسے الفاظ سے عاقلہ بالغہ کی رضامندی ثابت ہوتی ہے یُوں ہی ان افعال سے دلالۃً رضا ثابت ہو گی مثلاً مہر طلب کرنا، نفقہ طلب کرنا، وطی کی اجازت دینا، مبارکباد قبول کرنا، خوشی سے ہنسنا وغیرہ، جیسا کہ تبیین میں ہے۔ (ت)

اُسی میں ہے:

وان تبسمت فهو رضا هو الصحيح من المذهب ذكره شمس الائمة الحلوانی كذا في المحيط[2]۔

اگر وہ خوشی سے تبسم کرے تو وہ رضا ہے، یہی صحیح مذہب ہے، اس کو شمس الائمہ حلوانی نے ذکر کیا جیسا کہ محیط میں ہے۔ (ت)

خانیہ میں ہے:

الرضا باللسان او الفعل الذي يدل على الرضا نحو التمكين من الوطء وطلب المهر وقبول المهر دون قبول الهدية وكذا في حق الغلام[3]۔

رضا زبانی اور عمل دونوں طرح ہوتی ہے یہ ان امور میں ہے جو رضا پر دلالت کریں، جیسے وطی کی اجازت، مہر طلب کرنا، مہر کو وصول کر لینا، بخلاف ہدیہ قبول کرنے کے کہ وہ دلیل پر رضامندی نہ ہوگی۔ لڑکے کے بارے میں بھی ایسا ہی ہے۔ (ت)

حاشیہ طحطاویہ میں زیر قول درمختار وقبول التهنئة والضحك سرورا ونحو ذلك (مبارکباد قبول کرنا، ہنسنا خوشی میں وغیرہ۔ ت) ہے كامرها بحمل جهازها الى بيت الزوج[4] (جیسے لڑکی کا جہیز کے سامان

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب النکاح الباب الرابع فی الاولیاء نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۸۹

[2] " " " " " " " ۱/۲۸۷

[3] فتاوٰی قاضی خان فصل فی شرائط النکاح نولکشور لکھنؤ ۱/۱۵۸

[4] حاشیہ طحطاوی علی الدرالمختار کتاب النکاح باب الولی دار المعرفۃ بیروت ۲/۳۲

کو خاوند کے ہاں منتقل کرنے کا کنایہ (ت) ردالمحتار میں ہے:

فی البحر عن الظهيرية لو خلاها برضاها هل يكون اجازة لا رواية لهذه المسئلة وعندی ان هذه اجازة اھ وفی البزازية الظاهر انه اجازة اھ[1] ما فی الشامية اقول[2] ومن ههنا زدت المس والتعانق والتقبيل لان الخلوة برضاها لما كانت امارة الرضا فهذه الافعال ابعد واحری کما لایخفی۔

بحر میں ظہیریہ سے منقول ہے کہ لڑکی کی رضامندی سے وہ شخص خلوت کرے تو کیا یہ لڑکی کی طرف سے نکاح کو جائز قرار دینا ہے یا نہیں، تو اس مسئلہ کی روایت نہیں ہے اور میرے نزدیک یہ اجازت ہے اھ۔ بزازیہ میں ہے کہ ظاہر یہی ہے کہ یہ اجازت ہوگی اھ شامی کی عبارت ختم ہوئی۔ اقول یہاں پر میں نے چھونا، معانقہ، بوسہ کو مزید بڑھایا کیونکہ جب خلوت رضا کی دلیل ہے تو یہ امور رضا پر دال ہونے میں زیادہ واضح ہیں جیسا کہ ظاہر ہے۔ (ت)

حاشیتین علامہ طحطاوی و شامی میں ہے:

قوله بخلاف خدمته ای ان کانت تخدمه من قبل ففی البحر عن المحيط والظهيرية ولو اکلت من طعامه او خدمته کما کانت فليس برضی دلالة اھ[3]

ماتن کے قول "لڑکی کا خدمت کرنا" اس کے خلاف ہے یعنی اگر لڑکی نکاح سے پہلے اس شخص کی خادمہ تھی، تو اس بارے میں بحر، محیط اور ظہیریہ سے منقول ہے کہ اگر لڑکی نے اس شخص کا کھانا کھایا یا اس کی خدمت کی تو یہ رضا پر دلیل نہ ہوگی اھ (ت)

www.alahazratnetwork.org

ہمارے بلاد میں عام لوگوں خصوصاً شرفاء خصوصاً اغنیاء میں اگرچہ یہ اکثر باتیں شبِ زفاف بلکہ مدت تک اُس کے بعد بھی واقع نہیں ہوتیں، اور بوس وکنار ومساس وجماع جو اس شب ہوتے ہیں غالباً نہایت اظہارِ کراہت ونفرت کے ساتھ ہوتے ہیں جن کے باعث انھیں دلیلِ رضا ٹھہرانے میں دقت ہے مگر اس میں شبہہ نہیں کہ شوہر کو شبِ زفاف تنہا مکان میں اپنے پاس آنے دینا اور اس خلوت پر سوا شرم کے کوئی اثر مترتب نہ ہونا یقیناً ہوتا ہے نکاح نافذ ہو جانے کے لیے اسی قدر بس ہے اور یہ امر قطعاً پیش از جماع واقع ہوتا ہے تو جماع بعد نفاذ ولزومِ نکاح واقع ہوا اور اولاد اولادِ حلال ہوئی بلکہ[4] اگر مقاصدِ شرعِ مطہر اور اپنے بلاد کے حالات کو پیشِ نظر رکھ کر نگاہِ دقیق فقہی سے کام لیجئے تو شبِ اول شوہر کو اپنے ساتھ جماع پر قدرت دینا بھی حقیقۃً رضا

---

ـــه ردالمحتار باب الولی دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۰۱
ـــه " " " " ۲/۳۰۲
ـــه حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب النکاح دار المعرفۃ بیروت ۲/۳۲

اگرچہ بظاہر بزار اظہار تنفر کے ساتھ ہو کہ یہ کراہتیں جیسی ہوتی ہیں سب کو معلوم ہے بحقیقت حال یوں منکشف ہو کہ اُس مرد کی جگہ کسی اجنبی کو فرض کیجئے جس سے اس کا نکاح نہ کیا گیا ہو کیا اس وقت بھی یہ ایسی ہی ظاہری کراہتوں پر قناعت کرکے بالآخر چلا جانا پر قدرت دے دے گی حاشا وکلا، تو صاف ثابت کہ یہ سب امور حقیقۃً قبول نکاح سے ناشی ہوتے بلکہ [۲۲] اس سے پہلے رخصت ہو کر جانا بھی اگرچہ بوجہ مفارقت اعزہ و خانۂ مالوف نہایت گریہ و بکا کے ساتھ ہو انصافاً دلیل رضا ہے کہ اگر اُسے اپنا شوہر ہونا پسند نہ کرتی اجنبی جانتی ہرگز زفاف کے لیے رخصت ہو کر اس کے یہاں نہ جاتی بلکہ [۲۳] اس سے بھی پہلے آرسی مصحف یعنی جلوہ کی رسم جہاں ہے بشرطیکہ عورت پہلے سے اس کے سامنے نہ آتی ہو وہ بھی دلیل قبول ہے کہ اگر غیر مرد سمجھتی زنہار منہ دکھانے پر راضی نہ ہوتی اسی [۲۴] طرح منہ کھلوانے وغیرہ کی رسمیں بھی کہ جلوہ سے بھی پیشتر ہوتی ہیں دلالت و علامت قرار پا سکتی ہیں اور ان تمام باتوں میں بکر و ثیب یکساں ہیں کہ ان میں صرف مسئلہ سکوت میں فرق ہے باقی دلالتیں دونوں میں برابر، تبیین الحقائق میں ہے:

لافرق بینھما فی اشتراط الاستئذان والرضا وان رضاھما قد یکون صریحا وقد یکون دلالۃ غیران سکوت البکر رضا دلالۃ لحیائھا دون الثیب۔[۱]

باکرہ اور ثیبہ دونوں کا معاملہ اجازت طلب کرنے اور رضا حاصل کرنے میں مساوی ہے اور ان کی رضا کبھی صریحاً اور کبھی دلالۃً ہوتی ہے ہاں صرف اجازت کے موقع پر سکوت کے بارے میں فرق ہے کہ باکرہ کا سکوت اس کے حیاء کی وجہ رضا کی دلیل ہے مگر ثیبہ کیلئے نہیں۔ (ت)

غرض جب شرع سے قاعدہ کلیہ معلوم ہولیا کہ جس فعل سے اس نکاح پر عورت کی رضا ثابت ہو اذن و اجازت ہے اور بنظرِ تحقیق و انصاف جب اُس شخص اور مرد اجنبی کے ساتھ موازنہ کرتے ہیں تو یہ امور دلیل رضا و قبول نکلتے ہیں تو نفاذ نکاح کا انکار نہ کرے گا مگر جاہل بلکہ [۲۵] جب یہ طریقۂ نکاح ہمارے بلاد میں عام طور پر رائج اور معلوم ہے کہ وکیل خود نہ پڑھائے گا دوسرے سے پڑھوائے گا تو کہہ سکتے ہیں کہ ضمن اذن میں دوسرے کو اذن دینے کا بھی عرفاً اذن مل گیا فان المعروف کالمشروط کما ھو من القواعد المقررۃ الفقھیۃ (جیسا کہ فقہی قواعد میں ہے کہ معروف، مشروط کی طرح ہے (یعنی عرف میں مقررہ امر بغیر ذکر بھی معتبر ہوگی)۔ت) اور وکیل کو جب اذن توکیل ہو تو بیشک اُسے اختیار ہے کہ خود پڑھائے یا دوسرے کو اجازت دے فی الاشباہ لایوکل الوکیل الا باذن اوتعمیم[۲] (اشباہ میں ہے کہ کوئی وکیل اپنا نائب وکیل مؤکل کی

[۱] تبیین الحقائق — باب الاولیاء والاکفاء — المطبعۃ الکبری الامیریۃ مصر ۲/ ۱۱۹

[۲] الاشباہ والنظائر — کتاب الوکالۃ — ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/ ۶

اجازت یا عمومی اختیار کے بغیر نہیں بنا سکتا ہے۔ ت) اس تقدیر پر نکاح سرے سے نافذ و لازم واقع ہوا جس کی تنفیذ میں ان تدقیقات کی اصلاً حاجت نہ رہی مگر یہ جب ہی کہہ سکیں گے کہ اس طریقہ نکاح کی شہرت ایسی عام ہو کہ کنواری لڑکیاں بھی اس سے واقف ہوں اور جانتی ہوں کہ وکیل خود نہ پڑھائے گا دوسرے سے پڑھوائیگا

والا لم یکن معروفا عندھن فلا یجعل کالمشروط فی حقھن تأمل وراجع مسئلة سعر الخبز وغیرہ فی البلد۔

ورنہ یہ لڑکیوں کے ہاں معروف نہیں ہوگا اس لیے ان کے حق میں مشروط کی طرح نہ ہوگا، غور کرو اور شہر میں روٹی کے بھاؤ وغیرہ کے مسئلہ کی طرف رجوع کرو۔ (ت)

یہ سب اس تقدیر پر ہے کہ وکیل اصل نے بعد نکاح کوئی کلام ایسا نہ کہا جو اس نکاح کی اجازت ٹھہرے ورنہ خود اسی کے جائز کرنے سے جائز ہو جائے گا اگرچہ اسے اذن توکیل اصلاً نہ ہو۔

فی الاشباہ الوکیل اذا وکل بغیر اذن وتعمیم واجاز ما فعلہ وکیلہ نفذ الا الطلاق والعتاق[1]

اشباہ میں ہے کہ اگر موکل کی اجازت کے بغیر یا عمومی اختیار حاصل کے بغیر وکیل نے از خود دوسرا وکیل بنالیا تو دوسرے وکیل کے کیے عمل کو پہلے وکیل نے جائز قرار دیا تو یہ عمل نافذ ہو جائے گا ما سوائے طلاق اور عتاق کہ ان میں نافذ نہ ہوگا۔ (ت)

حموی میں ہے:

وکذا لو عقد اجنبی فاجاز الاول[2]

یوں ہی اگر وکیل کے لیے کسی اجنبی نے عمل کیا تو وکیل نے اسے جائز قرار دیا۔ (ت)

غرض ہر طرح پیش از جاج ان نکاحوں کے نافذ و لازم ہونے میں شبہہ نہیں تو اولاد قطعاً اولادِ حلال اور بالفرض ان باتوں سے قطع نظر کیجئے اور بتقدیر باطل یہی مان لیجئے کہ اصلاً ان امور سے کچھ واقع نہیں ہوتا تاہم جب ان بلاد میں عام مسلمین کو اس میں ابتلا ہے تو راہ یہی تھی کہ اس روایت پر عمل کریں جسے امام عصام نے اپنے متن میں اختیار فرمایا اور امام فقیہ النفس قاضی خاں نے اپنے فتاوٰی اور زاہدی نے قنیہ میں اس پر جزم کیا اور علامہ سیدی احمد طحطاوی نے اس کی تائید کی یعنی وکیل بالنکاح جب دوسرے کو نکاح پڑھانے کی اجازت دے اور وہ اس کے سامنے پڑھا دے تو نکاح جائز و نافذ ہو جائے گا اگرچہ وکیل کو

---

[1] الاشباہ والنظائر کتاب الوکالۃ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/۱۱-۱۰

[2] غمز عیون البصائر شرح اشباہ والنظائر " " " ۲/۱۱

اذنِ توکیل نہ ہو۔

اما رواية عصام فقد سمعت، و أما الامام فقيه النفس فقال فی وكالة الخانية الوكيل بالتزويج ليس له ان يوكل غيره فان فعل فزوج الثانی بحضرة الاول جاز[1] اھ واما القنية ففی البدر لو استاذنها فسكتت فوكل من يزوجها ممن سماه جاز ان عرفت الزوج والمهر كما فی القنية، و استشكله فی البحر بانه ليس للوكيل ان يوكل بلا اذن فمقتضاه عدم الجواز او انها مستثناة[2] اھ قال ط قوله فمقتضاه عدم الجوا[ز] قد يقال ان الوكيل فی النكاح وان تعدد سفير و معبر و الحقوق ترجع الی الموكل فاذا لا ضير فی تعدده لاسيما والزوج والمهر معلومات ويؤيد ذلك ما ذكره المص والشارح فی الوكالة حيث قالا الوكيل لا يوكل الا باذن آمره الا اذا وكل فی دفع زكاة فوكل آخر

لیکن عصام کی روایت تو آپ نے سن لی مگر امام فقیہ النفس (قاضی خاں) تو انھوں نے خانیہ کے باب وکالت میں فرمایا کہ نکاح کے وکیل نے اگر کسی کو وکیل بنایا تو یہ اس کو جائز نہیں، اور بنالیا تو دوسرے نے اگر پہلے کی موجودگی میں نکاح کیا تو جائز ہوگا اھ مگر قنیہ، تو اس میں ہے کہ اگر وکیل نے لڑکی سے اذن لینا چاہا تو لڑکی خاموش رہی اور وکیل نے دوسرے شخص کو نامزد کیا تاکہ وہ اس لڑکی کا نکاح کرے تو لڑکی کو اگر زوج کا نام اور مہر معلوم ہوجائے تو اس دوسرے وکیل کا کیا ہوا نکاح جائز ہوگا، جیسا کہ قنیہ میں ہے اس پر بحر میں اشکال کیا کہ وکیل از خود دوسرا وکیل نہیں بنا سکتا، لہٰذا اس بنا پر دوسرے کا نکاح صحیح نہیں ہونا چاہئے، یا یہ صورت مستثنیٰ قرار دی جائے اھ، اس پر طحطاوی نے فرمایا کہ اس کا قول 'عدم جواز چاہئے' اس پر یوں کہا جاسکتا ہے کہ نکاح کا وکیل صرف سفیر اور معبر ہوتا ہے وہ اگر متعدد بھی ہوں تو حقوق صرف موکل کی طرف راجع ہوتے ہیں، تو یہ زیادہ بھی ہوں تو کوئی مضر نہیں خصوصاً جبکہ لڑکی کو خاوند اور مہر کا علم ہوجائے، اس کی تائید مصنف اور شارح کے اس بیان سے ہوتی ہے جو انھوں نے وکالت کی بحث میں ذکر کیا ہے جہاں پر انھوں نے

---

[1] فتاوٰی قاضی خان کتاب الوکالۃ فصل فی التوکیل بالنکاح نو کشور لکھنؤ ۳/ ۵۰۰

[2] درمختار کتاب النکاح باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۳

والوکیل بقبض الدین اذا وکل من فی عیالہ والا عند تقدیر الثمن من الموکل للوکیل فیجوز التوکیل بلا اجازۃ لحصول المقصود اھ ففی مسئلتنا ھذہ تظھر ھذہ العلۃ وھی کالمسئلۃ الاخیرۃ بجامع التعیین فی کل فتکون مستثناۃ فتعین الجواب الثانی فی الشرح فتأمل اھ[1] ما فی ط۔

فرمایا کہ وکیل بغیر اجازت دوسرا وکیل نہیں بنا سکتا مگر جب کسی وکیل نے زکوٰۃ دینے کے لیے کسی کو اور قرض وصول کرنے میں وکیل نے اپنے عیال کو اور وکیل کے لیے مؤکل کی طرف سے ثمن طے کر دینے کے بعد کسی غیر کو وکیل بنایا تو بلا اجازت یہ وکالت جائز ہوگی کیونکہ اس سے مقصد پورا ہو جاتا ہے اھ تو ہمارے اس مسئلہ میں بھی یہی علت ظاہر ہوئی اور یہ آخری مسئلہ کی طرح ہے کہ ان میں جامع علت مقصد کی تعیین ہے اس لیے یہ مستثنٰی قرار پائے گا اور شارح کا جواب ثانی متعین ہو جائے گا، غور کر۔ طحطاوی کا بیان ختم ہوا۔ (ت)

اور اگر بحالت استیذان غیر اقرب سکوت ہو تو روایت امام کرخی رحمہ اللہ تعالٰی موجود کہ مطلقًا سکوت کافی ہے،

فی ردالمحتار تحت قولہ استأذنھا غیر الاقرب فلا عبرۃ لسکوتھا الخ وعن الکرخی یکفی سکوتھا فتح اھ[2]۔

ردالمحتار میں "لڑکی سے اجازت حاصل کرے کوئی غیر قریبی شخص، تو اس صورت میں لڑکی کے سکوت کا اعتبار نہیں الخ" کے تحت فرمایا، اور امام کرخی سے ایک روایت میں ہے کہ اس کا سکوت رضامندی کے لیے کافی ہے، فتح اھ (ت)

مقاصد شرع سے ماہر خوب جانتا ہے کہ شریعت مطہرہ رفق و تیسیر پسند فرماتی ہے نہ معاذ اللہ تضییق و تشدید، ولہذا جہاں ایسی دقتیں واقع ہوتی ہیں علمائے کرام انہیں روایات کی طرف جھکے ہیں جن کی بنا پر مسلمان تنگی سے بچیں۔ ردالمحتار کی کتاب الحدود میں ہے:

ھو خلاف الواقع بین الناس وفیہ حرج عظیم لانہ یلزم منہ تأثیم الامۃ[3]۔

یہ لوگوں میں مروّج کے خلاف ہے اور بہت بڑا حرج ہے کیونکہ اس سے پوری امت کو گنہگار ٹھہرانا لازم آتا ہے۔ (ت)

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب النکاح باب الولی دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۳۰-۲۹

[2] ردالمحتار کتاب النکاح باب الولی دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۰۱

[3] ردالمحتار کتاب الحدود مطلب فیمن وطئ من زفت الیہ " " " " ۳/ ۱۵۵

اسی کی کتاب الحظر میں ہے:

ھوارفق باھل ھذا الزمان لئلا یقعوا فی الفسق والعصیان[1]

یہ بات موجودہ زمانہ کے لوگوں کے لیے بڑی رعایت ہے تاکہ وہ فسق اور گناہ میں مبتلا نہ قرار پائیں۔ (ت)

اسی کی کتاب البیوع میں ہے:

لایخفی تحقق الضرورۃ فی زماننا ولاسیما فی مثل دمشق الشام، فانہ لغلبۃ الجھل علی الناس لایمکن الزامھم بالتخلص باحد الطرق المذکورۃ وان امکن ذٰلک بالنسبۃ الٰی بعض افراد الناس لایمکن بالنسبۃ الٰی عامتھم وفی نزعھم عن عادتھم حرج وماضاق الامر الا اتسع ولایخفی ان ھذا مسوغ للعدول عن ظاھر الروایۃ کما یعلم من رسالتنا المسماۃ نشر العرف فی بناء بعض الاحکام علی العرف فراجعھا اھ ملخصا[2]۔

ہمارے زمانہ میں اس ضرورت کا پایا جانا واضح ہے خصوصاً شام میں دمشق جیسے شہر کے لیے کیونکہ لوگوں میں جہالت کے غلبہ کی وجہ سے ان کو مذکورہ طریقوں میں سے کسی طریقہ سے باز رہنے کا پابند نہیں کیا جاسکتا، اگرچہ بعض لوگوں کو پابند بنانا ممکن ہے مگر عام لوگوں کے لیے یہ ممکن نہیں ہے، جبکہ عوام کو ان کی عادت سے منع کرنا ان کے لیے تنگی کا باعث ہے، اور جہاں معاملہ تنگ ہوتا ہے تو وہ وسعت کا باعث بنتا ہے اور یہ بات مخفی نہ رہے کہ ظاہر روایت سے اختلاف کی وجہ یہی چیز ہوتی ہے جیسا کہ ہمارے رسالہ "نشر العرف فی بناء الاحکام علی العرف" سے معلوم کیا جاسکتا ہے، تو اس کی طرف متوجہ ہونا چاہیے، اھ، ملخصاً۔ (ت)

پس روشن ہوگیا کہ اگر روایات عصام وکرخی ہی پر مسلمانوں کا ان سخت آفتوں سے بچانا منحصر ہوتا تو انھیں پر بنا کار چاہئے تھی نہ کہ مذاہب صحیحہ مشہورہ معتمدہ پر بالیقین یہ نکاح جائز و نافذ ہوں پھر بزور زبان یہاں کے عام مسلمان مردوں، مسلمان عورتوں، خدا کے پاکیزہ بندوں، ستھری بندیوں کو معاذ اللہ زانی و زانیہ اولاد الزنا قرار دیا جائے، ایسی ناپاک جرأت نہ کرے گا مگر سخت ناخداترس۔

یعظکم اللہ ان تعودوا لمثلہ ابدا ان کنتم مؤمنین[3]۔

اللہ تمہیں نصیحت فرماتا ہے کہ پھر ایسا نہ کہنا اگر ایمان رکھتے ہو۔

---

[1] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی اللبس داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/۲۲۵

[2] " کتاب البیوع مطلب فی بیع الثمر والزرع الخ " " " ۴/۳۹

[3] القرآن ۲۴/۱۷

اور اس کے باقی بیانات کہ وہ حلال و حرام کی تمیز نہیں وغیرہا بے کلمات جنون سے بہت مشابہ جو لشتہ
اہوال قابل جواب نہیں البتہ اس قدر ضرور ہے کہ اس طریقہ نکاح میں ایک بے احتیاطی ہے جس کے باعث
بعض دقتوں میں پڑنے کا احتمال۔ تو اہل اسلام کو ہدایت چاہیے کہ اس سے باز آئیں۔ تین باتوں سے ایک
اختیار کریں:

**اولاً** سب سے بہتر یہ ہے کہ جس سے نکاح پڑھوانا منظور ہے عورت سے خاص اسی کے نام اذن
طلب کریں اور یہ ہمیشہ ہر طریقہ میں ملحوظ خاطر رہے کہ اذن لینے والا یا تو ولی اقرب یا اس کا وکیل یا رسول ہو یا
عورت سے صراحۃً "ہوں" کہلوا لیں، مجرد سکوت پر قناعت نہ کریں، اور بعض احمق جاہلوں میں جو یہ دستور
سنا گیا ہے کہ دلہن کے سر سے بلا مانگے کہ پاس بیٹھنے والیوں میں سے کوئی "ہوں" کہہ دیتی ہے اس کا
انسداد کریں۔

**ثانیاً** وکالت دوسرے ہی کے نام کرنا چاہیں تو یوں سہی کہ جس طرح دلہن سے اس کی وکالت کا اذن
مانگیں یونہی اسے اختیار توکیل دینا بھی طلب کریں یعنی کہیں تو نے فلاں بن فلاں بن فلاں کو فلاں بن فلاں بن فلاں
کے ساتھ اس قدر مہر پر اپنے نکاح کا وکیل کیا اور اسے اختیار دیا کہ چاہے خود پڑھائے یا دوسرے کو اپنا نائب
بنائے، دلہن کہے "ہوں"

**ثالثاً** اگر یہ بھی نہ ہو اور دوسرے ہی شخص نے وکیل کے سامنے نکاح پڑھایا تو جب وہ پڑھا چکے
وکیل فوراً اپنی زبان سے صاف کہہ دے کہ میں نے اس نکاح کو جائز کیا اور اس کہنے میں تاخیر نہ کرے کہ مبادا اس کے
جائز کرنے سے پہلے دلہن کو خبر نکاح پہنچے اور اس کی ہمعمریں حسب عادت زنان اسے کچھ چھیڑیں اور وہ اپنی جہالت
سے کوئی ایسی بات کہہ بیٹھے جس سے یہ نکاح کہ اب تک نکاح فضولی تھا رد ہو جائے پھر وکیل تو وکیل خود دلہن کے
جائز کیے بھی جائز نہ ہوگا فان الاجازۃ لا تلحق المفسوخ (کیونکہ فسخ شدہ نکاح کو بعد کی اجازت مفید
نہیں ہے۔ ت) بخلاف ان تینوں شکلوں کے کہ بالکل اندیشہ و دغدغہ سے پاک ہیں۔

رہا زید کا لکھنے وغیرہ کو ذکر کرنا وہ محض فضول کہ آخر یہ بھی کفر تو نہیں جس کے باعث نکاح نہ ہو۔ ہاں
معاذ اللہ اگر مرد یا عورت نے پیش از نکاح کفر صریح کا ارتکاب کیا تھا اور بے تجدید اسلام ان کا نکاح کیا گیا تو
قطعاً نکاح باطل، اور اس سے جو اولاد ہوگی ولد الزنا۔ اسی طرح اگر بعد نکاح ان میں کوئی معاذ اللہ مرتد ہو گیا
اور اس کے بعد کے جماع سے اولاد ہوئی تو وہ بھی حرامی ہوگی اس کے سوا وہ کلمات جن پر فتاوی وغیرہا میں بلا
تحقیق حکم کفر لکھ دیتے ہیں اور وہ کلمات جن میں کوئی ضعیف مرجوح روایت بھی اگرچہ اور کسی امام کے مذہب میں
عدم کفر کی نکل آئے ان کے ارتکاب سے گو تجدید اسلام و نکاح کا حکم دیں مگر اولاد ولد الزنا نہیں۔

فی الدر المختار وغیرہ مایکون کفرا اتفاقا یبطل العمل والنکاح واولادہ اولاد زنا وما فیہ خلاف یؤمر بالتوبۃ والاستغفار وتجدید النکاح اھ[۱] واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

درمختار وغیرہ میں ہے جو چیز بالاتفاق کفر ہو اس کے ارتکاب سے عمل اور نکاح باطل ہوجاتا ہے اور اس کے بعد کی اولاد، ولدِ زنا ہوگی اور جس چیز کے کفر میں اختلاف ہو اس کے ارتکاب پر توبہ واستغفار اور تجدیدِ نکاح کا حکم ہوگا اھ۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم (ت)

**مسئلہ** از رامپور افغانان فرنگن محل بذریعہ ڈاک فرلیت مرسلہ مولوی علیم الدین صاحب چاٹگامی
۲۵ جمادی الاولٰی ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس باب میں کہ اس ملک بنگالہ میں زمانہ قدیم سے دیہات عوام بلکہ اکثر خواص کے بھی یہی دستور ہے کہ بعد خواستگاری اور قول قرار درمیان طرفین اور قبل ایجاب وقبول کے مخطوبہ کو بعد ضیافت براتیان کے مکان میں لاکر اس طور پر نکاح کراتے ہیں کہ چند درمیان عاقدین بانخین و چند بزرگان مجلس کی اجازت سے ایک شخص کو اس مجلس والے وکیل مخطوبہ قرار دے کر اور دو گواہ یا تین چار گواہ کو اس وکیل کے ساتھ کرکے دُولھن یعنی مخطوبہ کے پاس جو قریب پردہ کے اندر بیٹھی ہوئی ہے روانہ کرتے ہیں جب یہ وکیل مخطوبہ کے قریب گواہوں کے ساتھ جاکر مخطوبہ سے تین بار اس طرح سے قبول کراتا ہے کہ اے فاطمہ زید کی بیٹی! تو نے بکر کو جو خالد کا پسر ہے اسی قدر مہر پر جو اس کے اوپر واجب الادا ہوگا اپنی زوجیت میں قبول کیا، تو فاطمہ بآوازِ بلند کہتی ہے کہ میں نے قبول کیا، یا فقط 'قبول کیا' کہہ دیا، اور اس قبول مخطوبہ کو گواہوں نے بھی سُن لیا اب پھر وہ وکیل خاطب کی مجلس میں اپنے گواہان کے ساتھ حاضر ہوتا ہے تو جو قاضی عقد کرنے کو دُولھا کے پاس بیٹھا ہے وہ اس وکیل سے سوال کرتا ہے کہ تو کون ہے، تو وہ وکیل جواب دیتا ہے کہ میں فاطمہ مخطوبہ کا وکیل ہوں، تو قاضی دریافت کرتا ہے کہ تو کیا جانتا ہے تو وہ عرض کرتا ہے کہ فاطمہ دختر زید نے بکر پسر خالد کو اپنی زوجیت میں قبول کیا ہے اور میں نے قبول کرایا ہے، پھر قاضی سوال کرتا ہے کہ تمہارا کوئی گواہ بھی ہے تو وکیل اپنے گواہوں کی طرف اشارہ کرکے بیان کرتا ہے کہ یہ لوگ گواہ موجود ہیں تو قاضی پھر ان گواہوں کی طرف متوجہ ہوکر ہر ایک گواہ سے الگ الگ سوال کرتا ہے اور گواہ لوگ اپنی سماعت بیان کرتے ہیں یعنی فاطمہ نے بکر کو قبول کیا، اب جب قاضی کو سماعت شہادت سے فراغت ہوگئی تو پھر بتعلیم قاضی یا خود وکیل مذکور بکر کو قبول

---

[۱] درمختار کتاب الجہاد باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۵۹

کرتا ہے کہ تُو نے فاطمہ دختر زید کو اس قدر (مسودہ میں بیاض ہے) مہر اپنے ذمہ لے کر قبول کیا یا قبلت؟ تو بکر اقرار کرتا ہے کہ میں نے ہندہ کو قبول کیا یا فقط قبول کیا یا قبلت کہہ دیا پھر قاضی خطبہ وغیرہ پڑھ کر مجلس عقد ختم کردیتا ہے تو اب صورتِ مذکورہ میں فاطمہ اور بکر کا نکاح منعقد ہُوا یا نہیں، بر تقدیر اول بعض علماء کو یہ شبہ ہے کہ یہ وکیل مذکور نہ تو طالب کی طرف سے مقرر ہُوا نہ مخطوبہ کی طرف سے، حالانکہ یہ دونوں بالغ ہیں اور بالغ کا نکاح بلا اذن عاقدین کیونکر ہوسکتا ہے، اور بر تقدیر ثانی ہزاروں آدمی حرامزادے قرار پاتے ہیں اور یہ ایجاب وقبول مذکور کیا قرار پائیں گے، کیا نکاح مذکور بالکل معدوم قرار دیا جائے گا، کیا نکاح فضول سے بھی خارج ہوگیا، بینوا توجروا۔

## الجواب

اس مسئلہ میں اِبانت جواب اور بتوفیقہ تعالٰی اصابت صواب محتاج نظر غائر وفکر دقیق۔

**فاقول** وباللہ التوفیق تحقیق مقام یہ ہے کہ سفیر مذکور جسے وہ عوام وکیل مخطوبہ ٹھہراتے ہیں اس کا مخطوبہ وخاطب دونوں سے خطاب مذکور بصورت استفہام ہے اگرچہ حرف استفہام مقدر ہے اور استفہامُ عقد اقسام انشاءات سے دو قسم متبائن ہیں تو جہاں حقیقت استفہام مقصود ومفہوم ہو وہ کلام ایجاب یا قبول نہیں قرار پاسکتا، ہاں اگر صورۃً استفہام اور معنًی تحقیق عقد مستفاد ہو تو ایجاب یا توکیل متصور ہوگا مگر یہ بھی بے قیام قرینہ درکار کما ھو شان کل مجاز (جیسا کہ ہر مجاز کا تقاضا ہے۔ ت) ولہذا علماء فرماتے ہیں اگر زید نے عمرو سے کہا تُو نے اپنی بیٹی میرے نکاح میں دی اس نے کہا "دی" یا "ہاں"، نکاح نہ ہوگا جب تک زید اس کے جواب میں "میں نے قبول کی" نہ کہے۔ تنویر الابصار و درمختار میں ہے:

وقال رجل لاخر زوجتنی ابنتک فقال الاخر زوجت او قال نعم مجیبا له لم یکن نکاحا مالم یقل الموجب بعدہ قبلت لان زوجتنی استخبار ولیس بعقد بخلاف زوجنی لانه توکیل۔[1]

اگر ایک شخص نے دوسرے کو کہا کہ تو نے اپنی بیٹی مجھے نکاح کردی، دوسرے نے جواب میں کہا کہ نکاح کردی یا "ہاں" کہہ دیا تو نکاح نہ ہوگا جب تک ایجاب کرنے والا بعد میں یہ نہ کہے کہ میں نے قبول کی، کیونکہ پہلے کا یہ کہنا کہ تُو نے اپنی بیٹی مجھے نکاح کردی، یہ صرف طلب خبر ہے عقدِ نکاح نہیں ہے، اس کے برخلاف اگر پہلا یہ کہتا کہ تو مجھے نکاح کردے، تو اس سے دوسرا وکیل بن جاتا اور اس کا "نکاح کردی" کہنے سے نکاح ہوجاتا۔ (ت)

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب النکاح مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۸۶

خلاصہ و خزانۃ المفتین میں ہے:

رجل قال لاٰخر دختر خویش فلانہ مرا دہ بزنی فقال دادم وھی صغیرۃ ینعقد النکاح وان لم یقل الزوج قبلت ولو قال دادی لایجوز اذا قال دادم مالم یقل الزوج پذیرفتم الخ۔

ایک شخص نے دوسرے کو کہا تُو اپنی فلاں لڑکی مجھے بیوی کے طور دے دے، تو دوسرے نے کہا میں نے دی۔ اس صورت میں اگرچہ وہ لڑکی نابالغہ ہو تو پہلے کے قبلت (میں نے قبول کی) کہے بغیر نکاح ہوجائے گا، اور پہلے نے یہ کہا ہو کہ تُو نے مجھے دی ہے تو دوسرے کے "دے دی" کہنے سے نکاح نہ ہوگا جب تک پہلا "میں نے قبول کی" نہ کہے الخ (ت)

فتاوٰی امام قاضی خاں وہندیہ میں امام ابوبکر محمد بن الفضل سے ہے:

اذا قال لاب البنت زوجتنی ابنتک فقال زوجت او قال نعم لایکون نکاحا الا ان یقول له الرجل بعد ذٰلک قبلت لان زوجتنی استخبار ولیس بعقد بخلاف قوله زوجنی لانه توکیل اھ مختصرا۔

جب ایک شخص نے لڑکی کے باپ کو کہا کہ تُو نے اپنی بیٹی مجھے نکاح کردی، تو دوسرے نے جواب میں کہا میں نے نکاح کردی یا "ہاں" کہا تو نکاح نہ ہوگا مگر یہ کہ بعد میں پہلا شخص "میں نے قبول کی" کہے تو نکاح ہوجائے گا، کیونکہ "تُو نے نکاح کردی" کا لفظ خبر کے حصول کے لئے ہے اور عقد نکاح نہیں ہے۔ اس کے بخلاف اگر پہلا یوں کہتا "تُو مجھے نکاح کردے" تو بطور توکیل نکاح ہوجاتا ہے اھ اختصاراً (ت)

نیز خانیہ میں ہے:

رجل قال لغیرہ بالفارسیۃ دختر خویش را مرا دادی فقال دادم لایکون نکاحا۔

ایک شخص نے دوسرے کو فارسی میں کہا تُو نے اپنی لڑکی مجھے دی، تو جواب میں دوسرے نے کہا میں نے دی، تو نکاح نہ ہوگا۔ (ت)

اسی طرح کتب معتبرہ کثیرہ میں ہے، یہ اصل استفہام کا حکم ہے،

فالاطلاق انما ھو بالنظر الی الحقیقۃ

کلام میں اطلاق حقیقی معنٰی کے لحاظ سے ہوتا ہے

---

| | | | |
|---|---|---|---|
| ۱؎ خلاصۃ الفتاوٰی | کتاب النکاح | مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ | ۲/۲ |
| خزانۃ المفتین | " | قلمی نسخہ | ۱/۷۶ |
| ۲؎ و ۳؎ فتاوٰی قاضی خان | " | نولکشور لکھنؤ | ۱/۱۴۹ |

اما لو اطلقت[عہ] فهی مقیدة حقیقة بما اذا لم یرد به التحقیق۔

اور اگر عام کردیا جائے تو پھر اس وقت حقیقی معنی مراد لینے کے لئے مجازی معنی (تحقیق عقد) مراد نہ ہونے کی قید ضرور ہوگی۔ (ت)

یہی علماء تصریح فرماتے ہیں کہ ہنگام ارادۂ تحقیق عقد تام ہے، فتاوٰی ظہیریہ و خزانۃ المفتین میں ہے:

لو قال بالفارسیة دختر خویش مرا دادی فقال دادم لاینعقد النکاح لان ھذا استخبار واستیعاد فلا یصیر وکیلا الا اذا اراد به التحقیق دون الاستیعاد[1]۔

اگر ایک نے دوسرے سے فارسی میں کہا کہ تُو نے اپنی لڑکی مجھے دی، تو دوسرے نے کہا "دی" تو نکاح منعقد نہ ہوگا کیونکہ یہ پہلے کا کلام، طلب خبر ہے اور طلب وعدہ ہے لہذا اس کلام سے دوسرا پہلے کے لیے وکیل نہ ہوسکے گا، مگر یہ کہ پہلے نے اپنی کلام سے تحقیق عقد (مجازی معنی) مراد لیا ہو تو نکاح ہوجائے گا اور استفہام کا حقیقی معنی استفسار اور منگنی و استخبار ہو تو نکاح نہ ہوگا۔ (ت)

وجیز امام کردری میں ہے:

قال له دختر خود فلانه را بمن ده فقال دادم وهی صغیرة انعقد وان لم یقل قبلت لانه توکیل ولو قال بمن دادی لا الا اذا قال دادم وقال الزوج پذیرفتم، الا اذا اراد بدادی التحقیق[2]۔

ایک نے دوسرے سے کہا کہ اپنی فلاں لڑکی مجھے دے، تو دوسرے نے جواب میں کہا میں نے دی، تو نابالغ لڑکی ہو تو نکاح ہوجائیگا اگرچہ پہلے نے اس کے بعد "میں نے قبول کی" نہ کہا ہو کیونکہ "اپنی لڑکی دے" کہنا دوسرے کو وکیل بنانا ہے، اور اگر پہلے نے یہ کہا ہو "تُو نے مجھے دی" تو پھر نکاح نہ ہوگا مگر اس صورت میں جب دوسرے نے "میں نے دی" کہا اور پہلے نے اس کے جواب میں "میں نے قبول کی" کہا ہو، ہاں اگر پہلے نے "دادی" کے لفظ سے استفہام کی بجائے تحقیق عقد مراد لی ہو۔ (ت)

---

عہ: ای جعلت الکلام مطلقا شاملا للحقیقة والمجاز وبالجملة فالتقیید موجب للاطلاق والاطلاق موجب للتقیید فافهم ۱۲ منہ غفرله۔ (م)

یعنی کلام کو اطلاق پر رکھ کر عام کردیا جائے یوں کہ حقیقت اور مجاز دونوں کو شامل ہو۔ خلاصہ یہ کہ کلام کو حقیقت سے مقید کرنا، دلالت میں اطلاق کو چاہتا ہے، اور کلام کو عام کرنا (حقیقت و مجاز کو شامل کرنا) عدم مجاز کی قید کو چاہتا ہے، غور کرو۔ ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

---

[1] خزانۃ المفتین کتاب النکاح قلمی نسخہ ۱/۴۶

[2] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش فتاوٰی ہندیہ کتاب النکاح نورانی کتب خانہ پشاور ۴/۱۱۰

محیط وہندیہ میں ہے:

لاینعقد النکاح مالم یقل الخاطب پذیرفتم الا اذا اراد بقولہ دادی التحقیق دون السوم اھ[1]

منگنی پُوچھنے والا جب تک لڑکی کے باپ سے جواب کے بعد "میں نے قبول کی" نہ کہے گا نکاح نہ ہوگا، مگر یہ کہ اس کے اس کہنے "مجھے تُو نے اپنی لڑکی دی" سے مراد منگنی نہ ہو بلکہ تحقیق مراد ہے الخ (ت)

ذخیرۃ العقبٰی میں ہے:

قولہ دادی استخبار فلا یثبت التوکیل بہ نعم اذا اراد بقولہ دادی التحقیق دون السوم ینعقد النکاح وان لم یقل الخاطب پذیرفتم اھ[2]

ایک کا کہنا "تُو نے دی" یہ طلب خبر ہے اس سے توکیل ثابت نہ ہوگی، ہاں اگر "تُو نے دی" سے مراد منگنی کی بجائے تحقیق ہو تو نکاح ہوجائے گا اگرچہ بعد میں یہ کہنے والا "میں نے قبول کی" نہ کہے الخ (ت)

یہی محل ہے اس فرع ذخیرہ وہندیہ کا،

قیل لامرأۃ خویشتن را زن من کردی فقالت کردم ینعقد النکاح وکذا لوقال خویشتن را زن من گردانیدی فقالت گردانیدم[3]

اگر کسی عورت کو یہ کہا گیا تُو نے اپنے کو میری بیوی کردیا تو عورت نے کہا "میں نے کردیا" تو نکاح منعقد ہوجائے گا، اور یونہی اگر کسی نے عورت کو کہا تُو نے اپنے آپ کو میری بیوی بنادیا، تو عورت نے کہا "میں نے بنادیا" نکاح ہوجائے گا (ت)

اور اس فرع محیط وہندیہ کا

سئل نجم الدین عمن قال لامرأۃ خویشتن را بہزار درم کابین بمن بزنی دادی فقالت بالسمع والطاعۃ قال ینعقد النکاح ولو قالت سپاس دارم لاینعقد لان الاول

نجم الدین سے سوال کیا گیا کہ جس نے کسی عورت کو کہا کہ تُو نے اپنے کو ہزار مہر کے بدلے میری بیوی کردیا تو عورت نے جواب میں کہا "سُنا اور اطاعت کی" تو انھوں نے فرمایا: نکاح منعقد ہوگیا، اور اگر عورت

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب النکاح الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۷۱
[2] ذخیرۃ العقبٰی " نولکشور کانپور ۲/۱۶۲
[3] فتاوٰی ہندیہ " الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۷۱

اجابة والثانی وعد[1]

نے جواب میں یوں کہا "پسند کرلی ہوں" تو نکاح نہ ہوگا کیونکہ پہلا جواب، قبولیت ہے اور دوسرا صرف وعدہ ہے۔ (ت)

دوم قولِ فیصل یہ قرار پایا کہ مدار کار مفہوم و مستفاد بنظر احوال و قرائن استعمال پر ہے، زید نے کہا تو نے اپنی بیٹی مجھے دی، عمرو نے کہا دی۔ اگر مجلس منگنی کی تھی منگنی ہوئی اور نکاح کی تھی تو نکاح ہوگیا۔ درمختار میں ہے:

وکذا (ای فی کونه ایجابا قوله) انا متزوجك او جئتك خاطبا لعدم جریان المساومة فی النکاح او هل اعطیتنیها ان کان المجلس للنکاح فنکاح وان للوعد فوعد[2]

یوں ہی الفاظِ ایجاب میں سے یہ بھی ہیں "میں تجھ سے نکاح کرنا چاہتا ہوں" یا "میں پیغام نکاح دینے کے لیے آیا ہوں" یا "کیا تو نے مجھے لڑکی دی"، ان صورتوں میں اگر مجلس نکاح ہے تو نکاح قرار پائیگا اور اگر مجلس منگنی ہو تو منگنی قرار پائے گی، کیونکہ نکاح میں بھاؤ تاؤ جاری نہیں ہوتا صرف منگنی یا نکاح ہوتا ہے۔ (ت)

شرح مختصر الطحاوی للاسبیجابی پھر شرح قدوری للزاہدی پھر فتاوٰی الغرویہ و واقعات المفتین میں ہے:

قال له هل اعطیتنیها فقال اعطیت فان کان المجلس للوعد فوعد وان کان لعقد النکاح فنکاح[3]

ایک نے دوسرے کو کہا تُو نے اپنی لڑکی مجھے دی ہے؟ تو دوسرے نے کہا میں نے دی، تو اگر یہ مجلس نکاح ہو تو نکاح ہوگا اور مجلس منگنی ہو تو منگنی ہوگی (ت)

فتح القدیر و ردالمحتار میں ہے:

لما علمنا ان الملاحظة من جهة الشرع فی ثبوت الانعقاد ولزوم حکمه جانب الرضی عدینا حکمه الی کل لفظ یفید ذلك بلا احتمال مساو للطرف الاٰخر فقلنا لو قال بالمضارع ذی الهمزة اتزوجك فقالت زوجت نفسی انعقد و

جب ہمیں معلوم ہوا کہ نکاح کے منعقد ہونے اور اس حکم کے لازم ہونے میں شریعت نے رضا والے پہلو کا لحاظ کیا ہے، تو ہم نے اس پر نکاح کے حکم کو ایسے الفاظ تک پہنچایا جو رضا کے اظہار کا فائدہ دے سکتے ہیں بشرطیکہ یہ رضا کے خلاف کا مساوی طور پر احتمال نہ رکھتے ہوں اس لیے ہم نے یہ کہا کہ اگر کسی نے مضارع واحد متکلم کا صیغہ استعمال کرتے ہوئے یوں کہا

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب النکاح الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۷۱
[2] درمختار " مجتبائی دہلی ۱/۱۸۵
[3] فتاوٰی الغرویہ " دارالاشاعة العربیة قندھار افغانستان ۱/۳۲

فی المستقبل بان قال تزوجینی بنتك فقال فعلت عند عدم قصد الاستیعاد لانه یتحقق فیه هذا الاحتمال بخلاف الاول لانه لایستخبر نفسه عن الوعد واذا کان کذلك والنکاح مما لایجری فیه المساومة کان للتحقیق فی الحال فانعقد به لاباعتبار وضعه للانشاء بل باعتبار استعماله فی غرض تحقیقه واستفادة الرضی منه حتی قلنا لو صرح بالاستفهام اعتبر فهم الحال قال فی شرح الطحاوی لو قال هل اعطیتنیها فقال اعطیت ان کان المجلس للوعد فوعد وان کان للعقد فنکاح اھ۔

"میں تجھ سے نکاح کرتا ہوں" تو عورت نے اس کے جواب میں کہا "میں نے اپنا نکاح کیا" تو نکاح ہوجائے گا۔ اگر کسی نے مضارع واحد مخاطب کے صیغہ کو استعمال کیا اور یوں کہا "تو اپنی بیٹی مجھ سے نکاح کردے گا" تو جواب میں دوسرے نے کہا "میں نے کردیا" جب اس سے وعدہ کا ارادہ نہ ہو تو یہ الفاظ بھی چونکہ رضامندی کا احتمال رکھتے ہیں اس لیے نکاح ہوجائے گا۔ اس کے بخلاف پہلی صورت میں وعدہ کا احتمال نہیں کیونکہ خود متکلم مضارع کے صیغہ سے اپنی ذات کے بارے میں وعدہ کی خبر نہیں دیتا، جب یہ معاملہ ہے تو اس صورت میں فی الحال نکاح کو قائم کرنا مقصود ہے تو اسی وقت نکاح ہوجائے گا، کیونکہ نکاح میں مذکورہ [illegible] مستقبل و امر [illegible] نہیں [illegible] ان الفاظ سے نکاح کا انعقاد اس لیے نہیں کہ یہ الفاظ نکاح کے لیے وضع ہیں بلکہ اس لیے کہ ان الفاظ کا استعمال مقصد کو حاصل کرنے کی غرض سے کیا گیا اور ان سے رضامندی کا اظہار بھی ہوتا ہے، حتی کہ ہم یہ کہیں گے اگر کسی نے ان الفاظ سے صراحۃً استفہام مراد لیا تو پھر حال کا اعتبار کیا جائے گا، طحاوی کی شرح میں فرمایا کہ اگر کسی نے دوسرے کو کہا کیا تُو نے اپنی بیٹی مجھے دی ہے" تو دوسرے نے جواب میں کہا کہ "میں نے دی ہے" تو اس صورت میں اگر مجلس منگنی کی ہو تو یہ منگنی ہوگی اور یہ مجلس نکاح کی ہو تو نکاح ہوگا اھ (ت)

اس تحقیق انیق سے عبارات ختم ہوگئیں اور حکم منتظم وتمام الکلام علی مسألۃ الاستفہام فیما علقناہ علی رد المحتار (اور مسئلہ استفہام پر مکمل کلام رد المحتار پر ہمارے حاشیہ میں ہے۔ ت) جب یہ اصل منقح ہولی اب صورت مستفسرہ کی طرف چلے شخص مذکور کہ مجلس خاطب سے اٹھ کر مخطوبہ کے پاس جاتا ہے جبکہ اس سے پہلے نہ خاطب سے اذن لیا نہ مخطوبہ سے، اور وہ دونوں بالغ ہیں کہ اُن کے معاملہ میں غیر کا اذن کوئی چیز نہیں تو اُسے وکالت سے کیا علاقہ، یقیناً فضولی محض ہوتا ہے مگر ہمارے ائمہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم

---

ف؎ رد المحتار کتاب النکاح داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۲۶۳

کے نزدیک عقدِ فضولی محض فضول و نامقبول نہیں بلکہ منعقد ہوجاتا ہے اور اجازتِ صاحبِ اجازت پر موقوف رہتا ہے کما نصوا علیہ فی الکتب قاطبۃ (جیسا کہ فقہا نے تمام کتابوں میں اس پر نص کی ہے۔ ت) پس اگر اس کلام سے کہ فضولی مخطوبہ سے کہتا ہے تحقیقِ عقد مراد و مفہوم ہوتی تو اُسی وقت انعقادِ نکاح میں شبہہ نہ تھا اس کا کلام ایجاب ہوا اور مخطوبہ کا جواب قبول، عقد موقوفاً منعقد ہوگیا، اُس کے بعد جب فضولی مذکور خواہ دوسرے شخص نے خاطب کو اس کی خبر دی اور اس نے اظہارِ قبول کیا، یہ صراحۃً اس عقدِ موقوف کی تنفیذ ہوئی اور نکاح تام و نافذ و لازم ہوگیا، "قبول کیا میں نے" اور "قبول کیا" دونوں یکساں ہیں کہ جب "تو نے قبول کیا" کے جواب میں "قبول کیا" کہا تو اس کے صاف یہی معنی ہوئے کہ "میں نے قبول کیا" لان السؤال معاد فی الجواب (کیونکہ جواب میں سوال کا اعادہ معتبر ہوتا ہے۔ ت)

ذخیرہ و ہندیہ میں ہے:

قیل لامرأۃ خویشتن را بفلاں زنے دادی فقالت دادم وقیل للزوج پذیرفتی فقال پذیرفت ینعقد النکاح وان لم تقل المرأۃ دادم والزوج پذیرفتم[1]

اگر کسی عورت کو کہا جائے کہ "تو نے اپنے کو فلاں کی بیوی بنا دیا" تو عورت نے جواب میں کہا "بنا دیا" تو خاوند کو کہا گیا "تو نے قبول کی" اس نے کہا "قبول ہے" تو نکاح ہوجائیگا اگرچہ عورت اور مرد نے "میں نے قبول کیا" یا "میں نے اپنا نکاح دیا" نہ کہا ہو۔ (ت)

اصلاح و ایضاح میں ہے:

قولھما داد و پذیرفت بعد دادی و پذیرفتی ایجاب وقبول لمکان العرف فان جواب مثل ھذا الکلام قد یذکر بالمیم وبدونہ کفروخت وخرید فی البیع[2]

"تو نے دی، تو نے قبول کی" کے الفاظ کے بعد صرف "دی" "قبول کی" کہنا عرف کی بنا پر ایجاب قبول ہے، کیونکہ ایسی کلام کے جواب میں متکلم کا صیغہ ضروری نہیں ہے، جیسے بیع میں صرف "خرید و فروخت" کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ (ت)

**اقول** جب فارسی میں داد و دادم و پذیرفت و پذیرفتم کا ایک حکم ہے تو اردو میں بدرجہ اولیٰ فان صیغۃ الماضی بالفارسیۃ للغائب کیونکہ فارسی میں ماضی غائب اور متکلم کا صیغہ

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب النکاح الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۲۷۱
[2] اصلاح و ایضاح

غیرها المتكلم بخلاف لساننا فانه هي صيغة واحدة للغائب والحاضر والمتكلم جميعا وانما يفرق بالضمائر او ذكر الظاهر الا ترى ان العرب تقول او كرد و تو كردی و من کردم و نحن نقول في الكل اس نے کیا تم نے کیا میں نے کیا وكذلك في الفعل اللازم وہ آیا تو آیا میں آیا وانما يفرق فيه بين الواحد والجمع والمذكر والمؤنث بصيغة في الاٰخر اى بعد آیا آئی للواحد المذكر والمؤنث و آئے آئیں للجمعین كذلك و في المتعدی صيغة واحدة للكل وهو کیا مثلا سواء اسند الى اس او انھوں او تو او ہم للذكر او الذكور او الانثى • او الاناث او بهم ذكرانا واناثا ولا فرق بين الغائب والحاضر والمتكلم في شیء منهما اصلا وبه تبين بطلان زعم من يزعم ان قول المخاطب قبول کی بدون میں نے لا ينعقد به النكاح لعدم تعين القابل۔

علیحدہ ہے جبکہ ہماری زبان میں ماضی غائب، حاضر اور متکلم کا ایک ہی صیغہ ہے جو صرف ضمیر یا اسم ظاہر کی تبدیلی میں فرق پیدا کرتا ہے، آپ دیکھیں کہ فارسی والے او کرد، تو کردی اور من کردم ہر ایک کے لیے علیحدہ صیغہ استعمال کرتے ہیں جبکہ ہم سب کے لیے صرف "کیا" کہتے ہیں، اس نے کیا، تُو نے کیا، میں نے کیا، اور یُوں ہی ہماری زبان میں فعل لازم کا بھی ایک ہی صیغہ ہے جو ضمیر لگانے سے غائب، حاضر اور متکلم کا فرق ظاہر کرتا ہے مثلاً وہ آیا، تُو آیا، میں آیا البتہ واحد جمع اور مذکر و مونث کے لحاظ سے لازم کے چار صیغے ہیں۔ آیا، آئی واحد مونث و مذکر کے لیے، آئے اور آئیں جمع مذکر و مونث کے لیے ہیں۔ اور فعل متعدی کا صرف ایک صیغہ ہے۔ اور یہ "کیا" ہے اس کو بھی ضمیر لگا کر واحد مذکر و مونث، جمع مذکر و مونث کے ساتھ غائب، حاضر اور متکلم کا فرق کیا جاتا ہے مثلاً اس نے کیا، تُو نے کیا، میں نے کیا، غرضیکہ اردو میں فعل لازم و متعدی کے لیے غائب، حاضر اور متکلم کا ضمیروں کے بغیر کوئی فرق نہیں ہے۔ اس بحث سے واضح ہو گیا کہ بعض کا خیال غلط ہے کہ شادی کا پیغام دینے والے پہلے شخص کا دوسرے کے "میں نے دی" کے جواب میں صرف "قبول کی" کہنا کافی نہیں جب تک اس کے ساتھ "میں نے" ذکر نہ کرے کیونکہ اس سے قبول کرنے والے کا تعین نہیں ہوتا لہٰذا "میں نے قبول کی" کہنا ضروری ہے (اس خیال کے غلط ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اردو میں غائب، حاضر اور متکلم کے لیے صیغہ کا فرق نہیں ہے)۔ (ت)

مگر تقریر مذکور سوال سے ظاہر یہ ہے کہ فضولی کا مخطوبہ سے وُہ کلام بقصد انشائے عقد نہیں ہوتا نہ وہ مجلس مجلس عقد سمجھی جاتی ہے بلکہ اُسے اپنے زعم میں ہندہ سے طلب اذن کی مجلس سمجھتے اور اس گفتگو کو استیذان جانتے اور مجلس عقد مجلس خاطب کو قرار دیتے ہیں جب یہ وہاں سے واپس آکر خاطب سے خطاب کرتا ہے

ولہذا ایلچی کر قاضی کے پاس جاتا ہے جو عقد کرانے کو دولہا کے پاس بیٹھا ہے اور اُس کے سوال پر اپنے آپ کو وکیل مخطوبہ ظاہر کرتا ہے اور اس کے قبول یعنی رضا سے خبر دیتا ہے ، ان قرائن واضحہ سے مجلس مخطوبہ کا مجلس عقد نہ ہونا ظاہر، اور لااقل اتنا تو بدیہی کہ ارادہ عقد ظاہر نہیں معنی مجاز مراد نہ ہوسکنے کو اسی قدر بس ہے

فان المجاز مفتقر الی قرینة تظهر ارادته فحیث لاقرینة توجه جانبه لاتصح ارادته کما علمت من قول المحقق علی الاطلاق بلا احتمال مساو للطرف الاخر واذا کان الامر علی ما وصفنا لم یصح جعل الاستفهام تحقیقا کما دریت۔

کیونکہ مجاز ایسے قرینے کا محتاج ہے جس سے متکلم کا ارادہ واضح ہوسکے ، تو جہاں ایسا قرینہ نہ ہو جو مراد کو واضح کرسکے وہاں اس معنی مجازی کو مراد نہیں لیا جاسکتا جیسا کہ محقق علی الاطلاق کے قول "غیر کا مساوی احتمال نہ ہو" سے واضح معلوم ہوا ، جب معاملہ یہ ہے جو ہم نے بیان کیا ہے تو استفہام کا مجازی معنی ، تحقیق عقد قرینے کے بغیر مراد لینا درست نہ ہوگا ، جیسا کہ آپ نے سمجھ لیا۔ (ت)

اب قبول مخطوبہ کو ایک رکن عقد یعنی ایجاب قرار دیجئے تو باطل محض ہے کہ اس ایجاب کا قبول جب کہ دوسری مجلس خاطب میں ہوگا اور کوئی ایجاب مجلس سے باہر قبول پر موقوف نہیں رہ سکتا

کما نصوا علیه فی عامة الکتب وفی الدر ومن شرائط الایجاب والقبول اتحاد المجلس[1] وفی التنویر وشرحیه لایتوقف الایجاب علی قبول غائب عن المجلس فی سائر العقود من نکاح وبیع وغیرهما بل یبطل الایجاب ولا تلحقه الاجازة اتفاقا[2]۔

جیسا کہ فقہاء نے عام کتب میں اس کی تصریح کردی ہے۔ تنویر اور در میں ہے کہ ایجاب و قبول کے معتبر ہونے میں مجلس کا اتحاد ضروری ہے۔ اور تنویر اور اس کی دونوں شرحوں میں ہے کہ ایجاب مجلس سے کسی غائب شخص کے قبول کرنے پر موقوف نہ ہوگا ، تمام عقود ، نکاح و بیع وغیرہ میں ایسا ہی حکم ہے کہ ایجاب بالاتفاق باطل ہوجاتا ہے اور اس کو اجازہ لاحق نہیں ہوتی۔

اور اگر توکیل ٹھہرائیے تو اس کی طرف بھی راہ نہیں ، وکیل دوسرے کو کسی تصرف جائز معلوم میں اپنا نائب بناتا ہے انابت کا اصلاً کوئی ذکر نہ کلام شخص مذکور میں تھا نہ کلام مخطوبہ میں ، تو اس کا حاصل صرف اس قدر ہُوا کہ مخطوبہ نے اس کے سامنے زید کے ساتھ اس قدر مہر پر اپنے نکاح کی رضا ظاہر کی یہ توکیل نہ ہُوئی۔

---

[1] درمختار کتاب النکاح مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۸۶

[2] درمختار شرح تنویر الابصار باب الکفاءة 〃 〃 〃 ۱/ ۱۹۶

تنویرالابصار میں ہے :

ھواقامة الغیر مقام نفسه فی تصرف جائز معلوم[1]

وہ یہ کہ غیر کو کسی تصرف جائز معلوم میں اپنے قائم مقام بنانا۔ (ت)

علماء فرماتے ہیں زید نے عمرو سے کہا کاش! تُو میرا نکاح فلاں عورت سے کردیتا، اس نے کردیا، یہ نکاح، نکاحِ فضولی ہُوا، حالانکہ یہاں صراحۃً عمرو سے استعانت تھی تو مجرد اس قدر کہ اس نے کہا تُو فلاں سے نکاح پر راضی ہے؟ اس نے کہا ہُوں، کیونکر توکیل ہوسکتی ہے۔ فتاوٰی خیریہ میں ہے :

سئل فی رجل قال کل امرأة اتزوجھا فھی طالق ثم قال بمجلس لرجل لیتك تزوجنی فلانة ھل اذا زوجه یحنث ام لا اجاب لایحنث لانه لم یتزوج بل زوجه الشخص الفضولی بلاشك والحال ھذہ[2] الخ۔

ایسے شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جس نے کہا ہو کہ جس عورت سے بھی میں نکاح کروں اس کو طلاق ہے پھر اس شخص نے کسی مجلس میں ایک آدمی کو کہا کاش کہ تُو فلاں عورت سے میرا نکاح کردے، تو اس آدمی نے اس کا نکاح اس عورت سے کردیا تو کیا عورت مذکورہ یعنی اس عورت کو طلاق ہوجائیگی یا نہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ طلاق نہ ہوگی کیونکہ اس نے خود نکاح نہیں کیا بلکہ اس کا نکاح ایک غیر شخص (فضولی) نے کیا ہے اور بلاشک معاملہ یہی ہے الخ (ت)

بالجملہ اس وقت تک کی جو کارروائی تھی لغو و فضول گئی۔ اب رہا وہاں سے واپسی کے بعد شخص مذکور کا خاطب سے خطاب، یہاں صرف تحقیقِ عقد ہی مقصود ہے کہ ان کے زعم میں مجلس محضر بمجلس توکیل تھی اب کہ یہ اپنے نزدیک وکیل بن کر آیا اس مجلس عقد میں عقد کرتا ہے تو یہ استفہام حقیقۃً ایجاب ہُوا اور زوج کا کہنا قبول کیا قبول۔

**اقول** وباللہ التوفیق، تحقیق مقام یہ ہے کہ استفہام بہنگام ارادۂ تحقیق مفید معنی امر ہوتا ہے قال اللہ تعالٰی فھل انتم منتھون ای انتھوا[3]

اللہ تعالٰی نے فرمایا، کیا تم باز آؤ گے؟ اس سے مراد

---

[1] درمختار شرح تنویرالابصار کتاب الوکالۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۰۳

[2] فتاوٰی خیریہ کتاب النکاح فصل فی نکاح الفضولی دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۲۶

[3] تفسیر جلالین تحت الآیۃ فھل انتم منتھون اصح المطابع دہلی ص ۱۰۶

وقال تعالٰی اتصبرون وکان ربک بصیرا[1] ای اصبروا[2] وقال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ھل انتم تارکوا لی صاحبی[2] ای اترکوا۔

یہ ہے کہ باز آؤ۔ اور اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے: کیا تم صبر کرو گے؟ اور تیرا رب تعالٰی بصیر ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ صبر کرو۔ اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم مجھے میرے صاحب کے بارے میں چھوڑ دو گے؟ اس سے مراد یہ ہے کہ تم چھوڑ دو۔ (ت)

تو "تُو نے قبول کیا" بمعنی "قبول کر" ہے، اور امر میں اگرچہ ہمارے علماء مختلف ہوئے کہ وہ توکیل ہے یا ایجاب۔

فی الدر المختار زوجنی او زوجینی نفسك اوکونی امرأتی لیس بایجاب بل توکیل ضمنی وقیل ایجاب ورجحہ فی البحر[3] اھ مختصرا وفی رد المحتار مشی علی الاول فی الھدایۃ والمجمع ونسبہ فی الفتح الی المحققین وعلی الثانی ظاھر الکنز واعترضہ فی الدرر بانہ مخالف لکلامھم واجاب فی البحر والنھر بانہ مصرح بہ فی الخلاصۃ والخانیۃ قال فی الخانیۃ ولفظۃ الامر فی النکاح ایجاب وکذا فی الخلع والطلاق والکفالۃ والھبۃ اھ قال فی الفتح وھو احسن[4] الخ

درمختار میں ہے: تو میرا نکاح کر دے، اے عورت تو میرا نکاح کر، یا اس کو کہا تو میری بیوی ہو جا، تو یہ کلمات ایجاب نہ ہوں گے بلکہ ضمناً توکیل ہوگی۔ بعض نے کہا کہ یہ ایجاب ہے، اور بحر میں اسی کو ترجیح دی ہے اھ مختصراً۔ اور ردالمحتار میں ہے کہ ہدایہ اور مجمع میں پہلے قول کو اپنایا ہے اور اس کو فتح میں محققین کی طرف منسوب کیا ہے اور دوسرے پر کنز نے ظاہر کہا ہے، اور اس پر درر میں اعتراض کیا ہے کہ یہ علماء کے قول کے مخالف ہے، اور اس کا جواب بحر اور نہر میں یہ دیا گیا کہ خلاصہ اور خانیہ میں اس پر تصریح کی ہے۔ اور خانیہ میں فرمایا کہ امر کا لفظ نکاح میں ایجاب ہوتا ہے اور خلع، طلاق، کفالہ اور ہبہ میں بھی ایجاب ہے، اور فتح میں فرمایا کہ یہ احسن ہے الخ (ت)

اور قول توکیل پر یہاں انعقاد نکاح میں دقت ہوتی کہ یہ شخص مخاطب کو وکیل کرنے والا کون، نکاح کا وکیل

---

| | | | | |
|---|---|---|---|---|
| [1] تفسیر جلالین | تحت الآیۃ | اتصبرون وکان ربک بصیرا | اصح المطابع دہلی | ص ۳۰۲ |
| [2] صحیح بخاری | | باب فضل ابی بکر الخ | قدیمی کتب خانہ کراچی | ۵۱۰/۱ |
| [3] درمختار | | کتاب النکاح | مجتبائی دہلی | ۱۸۵/۱ |
| [4] ردالمحتار | | " | داراحیاء التراث العربی بیروت | ۲۶۳/۲ |

بالنکاح تو دوسرے کو وکیل کر سکتا ہی نہیں، فضولی کیا چیز ہے،

فی الخلاصة لوقال الوکیل بالنکاح هب ابنتك لفلان فقال الاب وهبت لاینعقد النکاح مالم یقل الوکیل بعد قبلت لان الوکیل لایملك التوکیل[1] وانت کان یتراای لی ان لقائل ان یقول لعل لاینعقد فیه معنی لاینفذ فانه ان لم یملك کان توکیل فضولی فکان مآله الاتری ان الفضولی لا یملك التزویج ولو زوج لحصل الزواج ولو موقوفا فکذا ینبغی ان تحصل بتوکیله الوکالة وان توقف نفاذه علی تنفیذ من له التنفیذ قال فی البحر من البیوع الظاهر من فروعهم ان کل ما صح التوکیل به فانه اذا باشره الفضولی یتوقف الا الشراء بشرطه، ومعلوم ان التوکیل مما یصح به التوکیل فالظاهر الانعقاد موقوفا ان امر تید عنه[2] اصلا مالم یقل الوکیل قبلت فالتعلیل الصحیح الواضح ما افاد العلامة الهمامة علی المقدسی

خلاصہ میں ہے اگر وکیل نے کسی کو کہا کہ تو اپنی لڑکی فلاں کو دے، تو باپ نے جواب میں "میں نے دی" کہا، تو جب تک اس کے بعد وکیل "میں نے فلاں کے لئے قبول کی" نہ کہے نکاح منعقد نہ ہوگا، کہ وکیل از خود دوسرے کو وکیل نہیں بنا سکتا اھ مجھے محسوس ہوتا ہے کہ اس پر کوئی معترض یہ اعتراض کر سکتا ہے کہ جب نکاح کا وکیل دوسرے کو وکیل نہیں بنا سکتا تو دوسرا فضولی قرار پائے گا، اور فضولی کا عقد نافذ نہیں ہوتا اگرچہ عقد کر دیا جاتا ہے تو یہاں "منعقد نہ ہوگا" کا معنے "نافذ نہ ہوگا" ہے۔ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ فضولی کو نکاح کرنے کا اختیار نہ ہونے کے باوجود اگر وہ نکاح [illegible] موقوف رہتا ہے تو یہاں بھی وکیل کی توکیل موقوف ہو کر نافذ کرنے والے کی اجازت سے نافذ ہو جائے گی۔ بحر کے بیوع میں کہا ہے کہ فقہاء کرام کے بیان کردہ جزئیات سے ظاہر ہے کہ وہ امور جن میں توکیل جائز ہے اگر ان امور کو فضولی از خود سر انجام دے تو یہ امور موقوف رہیں گے ماسوائے کسی شرط کے ساتھ خرید کے اھ، تو ظاہر ہے کہ وکیل بنانا بھی ان امور میں سے ہے جن میں توکیل جائز ہے، تو ظاہر ہے یہاں بھی فضولی کا تصرف جائز ہونا موقوف ہوگا۔ اگر وکیل کی قبولیت کے بغیر باپ کے "دے دی" کہنے سے

---

[1] خلاصۃ الفتاوی کتاب النکاح مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۳۰/۲

[2] البحر الرائق کتاب البیوع فصل فی بیع الفضولی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱۵۱/۶

ان قول الوکیل ھب ابنتك لفلان ظاھر فی الطلب وانہ مستقبل لم یرد بہ الحال والتحقق فلم یتم بہ العقد بخلاف زوجنی بنتك بکذا بعد الخطبۃ و نحوھا فانہ ظاھر فی التحقق والاثبات الذی ھو معنی الایجاب؂ اھ ویعینہ عینا ما فی البحر عن الظھیریۃ لو قال ھب ابنتك لابنی فقال وھبت لم یصح ما لم یقل ابو الصغیر قبلت؂ فلا مساغ ھٰھنا لزعم ان الاب لا یملك التوکیل۔

بالکل نکاح نہ ہونا مراد ہو تو پھر اس کی واضح وجہ وہ ہے جس کو علامہ مقدسی نے بیان فرمایا کہ وکیل کا لڑکی کے باپ کو "اپنی بیٹی فلاں کو دے" کہنا امر اور طلب ہے جو کہ مستقبل کا صیغہ ہے اور فی الحال تحقق مراد نہیں، لہذا عقد تام نہ ہوگا، اس کے خلاف وہ صورت ہے جس میں خود مرد نے کہا کہ "تو اپنی لڑکی مجھے نکاح کر دے" تو یہاں منگنی وغیرہ کے بعد یہ کلام اثبات وتحقق میں ظاہر ہے اور یہی ایجاب ہوتا ہے، جو بحر میں ظہیریہ سے نقل میں اسی وجہ کو متعین کرتے ہوئے کہا کہ اگر ایک نے کہا کہ "تو اپنی بیٹی میرے بیٹے کو دے" دوسرے نے کہا "میں نے دی"، تو اس وقت نکاح صحیح نہ ہوگا بلکہ لڑکے کے باپ کا اس کے بعد "میں نے قبول کی" کہنا ضروری ہوگا، اھ تو یہاں لڑکے کے باپ کے بارے میں یہ خیال کرنا درست نہیں کہ یہ وکیل بنانے کا مالک نہیں ہے لہٰذا جو نظر فقہی حاکم ہے کہ یہ امر یا تو ایجاب ہو اور ان دونوں سے رکن ہو۔

فانہ امر بالقبول والقبول یطلق و یراد بہ الرضا وھو المحمل فی قول الفضولی المذکور لمخطوبۃ لعدم ردتھم اذ ذلك الاستبانۃ رضاھا من دون تتمیم العقد کما قدمت۔ ویراد بہ احد رکنی العقد وھو المراد ھٰھنا حیث المراد تحقق العقد وھذا القبول وجود لہ الا تلو الایجاب فی ردالمحتار

کیونکہ یہ قبول کرنے کی درخواست ہوتی ہے اور جواب میں قبول سے مراد رضامندی ہوتی ہے، اور فضولی شخص اگر لڑکی کو کسی کے لیے نکاح کی درخواست کرے تو یہاں بھی یہی مقصد ہوتا ہے کیونکہ اس کارروائی کا مقصد صرف لڑکی کی رضا حاصل کرنا ہوتا ہے نہ کہ نکاح مکمل کرنا ہوتا ہے جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے، اور جہاں مجلس نکاح میں یہ بات کی جائے تو اس سے نکاح کا ایک رکن مراد ہوتا ہے جیسا کہ زیر بحث مسئلہ میں ہے، تو قبول کا

---

؂ ردالمحتار بحوالۃ المقدسی کتاب النکاح داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۲۶۳
؂ البحرالرائق " ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/۸۲

اشار الی ان المتقدم من کلام العاقدین ایجاب سواء کان المتقدم کلام الزوج او کلام الزوجۃ والمتاخر قبول ح عن المنح فلا یتصور تقدیم القبول[1] الخ فالامر بالقبول یتضمن الایجاب علی جھۃ الاقتضاء کقولہ اعتق عبدک عنی بالف یتضمن البیع کذٰلک وکما ان العبد لو تزوج بلا اذن مولاہ فقول المولی لہ طلقھا رجعیۃ اجازۃ للنکاح الموقوف[2] کما فی الدر المختار لان الطلاق الرجعی لایکون الا بعد النکاح الصحیح فکان الامر بہ اجازۃ اقتضاء کما فی رد المحتار[3] ھذا ما ظھر لی وھو ظاھر جلی وان ابیت فالقول بالایجاب مرجح مصحح بقول الفتح ھو احسن کما علمت۔

لفظ یہاں پر ایجاب کا جواب ہوتا ہے۔ ردالمحتار میں یہ اشارہ دیا کہ عاقدین میں سے پہلے کا کلام ایجاب اور دوسرے کا قبول کہلائے گا، خواہ مرد کا پہلا کلام ہو یا عورت کا۔ اب منح کے قول کہ "قبول پہلے متصور نہیں ہوسکتا الخ"، تو اس پر قبول کرنے کی درخواست اقتضاءً ایجاب پر مشتمل ہے جیسا کہ کوئی کہے کہ "میری طرف سے ایک ہزار کے بدلے میں اپنا غلام آزاد کردے" تو یہ قول ضمناً بیع پر مشتمل ہے (یعنی مجھے فروخت اور پھر آزاد کر) اور جیسا کہ کوئی غلام اپنے مالک کی اجازت کے بغیر نکاح کرے تو اس پر مالک اس کو کہے "تو رجعی طلاق دے" تو مالک کا یہ کہنا موقوف نکاح کو جائز قرار دینا ہے جیسا کہ درمختار میں ہے، کیونکہ رجعی طلاق نکاح کے بعد ہی ہوسکتی ہے لہذا رجعی طلاق کا حکم، نکاح کی اجازت متصور ہوگا، جیسا کہ ردالمحتار میں ہے۔ یہ مجھے بالکل واضح معلوم ہوا ہے، اور اگر یہ قابل قبول نہ بھی ہو تو ایجاب والے قول کے بارے میں فتح کا یہ کہنا کہ "یہ احسن ہے" اس کے لیے ترجیح اور تصحیح قرار پائے گا جیسا کہ آپ جان چکے ہیں۔ (ت)

بہرکیف یہاں تک اس نکاح کے منعقد ہوجانے میں شبہہ نہیں مگر ازآنجا کہ شخص مذکور فضولی تھا اجازت مخطوبہ پر موقوف رہا، اب اگر بعد وقوع نکاح اس کی خبر پاکر قبل اس کے کہ مخطوبہ سے کوئی قول یا فعل دلیل رد وابطال نکاح صادر ہو قولاً یا فعلاً یا سکوتاً اجازت پائی گئی تو نکاح صحیح وتام ونافذ ہوگیا۔ اجازت قولی یہ کہ مثلاً مخطوبہ کہے میں راضی ہوئی مجھے منظور ہے یا اچھا کیا یا الحمدللہ، اور فعلی یہ کہ مثلاً بے جبر واکراہ شوہر کو خلوت

---

| | | | |
|---|---|---|---|
| [1] ردالمحتار | کتاب النکاح | داراحیاء التراث العربی بیروت | ۲/۲۶۳ |
| [2] درمختار | باب نکاح الرقیق | مجتبائی دہلی | ۱/۲۰۳ |
| [3] ردالمحتار | " | داراحیاء التراث العربی بیروت | ۱/۳۷۳ |

میں اپنے پاس آنے دے یا اس سے مہر یا نفقہ طلب کرے یا اور کوئی فعل کردلیلِ رضا ہو، آور سکوتی یہ کہ خود ولی یا اس کا رسول یا ایک فقہ پرہیزگار جس کی عدالت معلوم و محقق ہو یا دو مستور الحال جن کا فسق معلوم نہ ہو مخطوبہ کو نکاح کی اطلاع دیں اور وہ شوہر کو پہچانتی ہو اور وہ اس کا کفو بھی ہو یعنی دین یا نسب یا پیشے یا چال چلن وغیرہ میں ایسی کمی نہ رکھتا ہو کہ اس سے نکاح اولیاء مخطوبہ کے لیے عار ہو، اس صورت میں مخطوبہ خبر سن کر خاموش ہو رہے تو یہ سکوت بھی اجازت سمجھا جائے گا وقد فصلنا القول فی کل ذلک فی فتاونا (اس تمام بحث کو ہم اپنے فتاوٰی میں بیان کرچکے ہیں۔ت) بالجملہ یہ صورت دائرہ دقت سے خالی نہیں خصوصًا بعد استماع خبر اظہار نفرت واقع ہو جیسا کہ بلاد ہندوستان میں اکثر دختران دوشیزہ کا معمول ہے جب تو نکاح صاف رد ہو جائے گا کہ پھر مخطوبہ کے جائز کیے بھی جائز نہیں ہو سکتا لہذا اس طریقے کی تبدیل ہی واجب و مناسب ہے یا تو شخص متوسط پہلے خاطب سے اذن و وکالت حاصل کر کے جائے اور وہاں جو کلام مخطوبہ سے کہتا ہے اس سے تحقیق عقد مقصود رکھے کہ مخطوبہ سے اسی قدر گفتگو پر نکاح تام و نافذ ہو جائے، یا مخطوبہ سے یہ الفاظ نہ کہے بلکہ اپنے لیے اذن و وکالت لے کر تُو نے فلاں بن فلاں ابن فلاں کے ساتھ اتنے مہر پر اپنا نکاح کرنے کے لیے مجھے وکیل کیا، مخطوبہ کہے ہاں، پھر وہاں سے آکر خود یہی شخص خاطب سے کہے میں نے فلانہ بنت فلاں بن فلاں کو اتنے مہر پر تیرے نکاح میں دیا تُو نے قبول کیا، خاطب کہے ہاں، یا یہی الفاظ رکھنا چاہیں تو اول ہی مخطوبہ سے جو گفتگو کی جاتی ہے اسے مجلس توکیل و طلب رضا نہ سمجھیں بلکہ اسی کو مجلس عقد سمجھیں اور شخص مذکور وہ الفاظ بقصد تحقیق عقد ہی مخطوبہ سے کہے کہ نکاح وہیں منعقد ہو جائے پھر خاطب کا قبول اس کی تنفیذ قرار پائے۔

یہ سب تفصیل کہ مذکور ہوئی اُس صورت میں ہے کہ مخطوبہ جلسہ خاطب سے اتنی دُور بیٹھی ہو کہ اس کا کلام یہاں والے نہ سنیں یا وہ قبول کیا کہہ کر اٹھ جائے اس کے بعد خاطب سے گفتگو آئے یا جب مخطوبہ نے قبول کیا کہہ لیا اُس کے بعد خاطب اٹھ کھڑا ہوا پھر اس سے کہا گیا کہ ان صورتوں میں مجلس تبدل ہوگی یا شہود اُن دونوں کا کلام معًا نہ سنیں گے اور اگر وہ اس قدر قریب بیٹھی ہے کہ اہل جلسہ خاطب نے اس کا قبول کیا، کہنا سُنا اور ابھی خاطب و مخطوبہ ویسے ہی بیٹھے ہیں کہ خاطب سے آکر بیان کیا گیا اور اس نے قبول کیا کہا کہ مجلس واحد میں دونوں کا کہنا حاضرین میں کم از کم دو مردوں یا ایک مرد دو عورتوں نے معًا سُنا اور سمجھا تو نکاح کی صحت و تمامی میں اصلًا کلام نہیں، اب یہ بیچ کا شخص محض لغو و فضول ہوگا اور خاطب و مخطوبہ ہی کا کلام ایجاب و قبول ہوگا،

وذلک ما قدمنا عن الاصلاح والایضاح     اس کو ہم    پہلے اصلاح، ایضاح، ذخیرہ اور

والذخيرة والهندية من قول قائل للمرأة دادی فقالت داد ثم للزوج پذیرفتی فقال پذیرفت[1] وفي الوقاية وشرحها لصدر الشريعة اذا قيل للمرأة خويشتن را بزنی فلان دادی فقالت داد ثم قيل للزوج پذیرفتی فقال پذیرفت بحذف الميم يصح النكاح كبيع وشراء اى اذا قيل للبائع فروختی فقال فروخت ثم قيل للمشتري خریدی فقال خرید يصح البيع[2] اھ

ہندیہ سے نقل کرچکے ہیں کہ اگر کوئی شخص عورت کو کہے کہ تُو نے فلاں کو اپنا نکاح دیا؟ تو عورت نے دادم کی بجائے داد کہا، پھر اس شخص نے مرد کو کہا کہ تُو نے قبول کی؟ تو اس نے "میں نے قبول کی" کے بجائے صرف "قبول کی" کہا تو نکاح صحیح ہوگا۔ وقایہ اور اس کی شرح صدر الشریعۃ میں ہے کہ جب عورت کو کہا جائے کہ تُو نے فلاں کو بیوی ہونا دیا، تو عورت نے صرف "دیا" کہا اور پھر خاوند کو کہا گیا تُو نے قبول کی، تو اس نے بھی صرف "قبول کی" کہا تو نکاح صحیح ہے جیسا کہ بیع کی صورت میں بائع کو کہا گیا کہ تُو نے بیچی، تو اس نے جواب میں "بیچی" کہا ہو اور "میں نے بیچی" نہ کہا، پھر خریدار کے ساتھ بھی یہی سوال وجواب ہو، تو بیع ہوجائے گی اھ (ت)

اور عورت کا پردے میں ہونا تغایرِ مجلس کا مقتضی نہیں، نہ صحتِ نکاح میں مخل ہو سکے جبکہ منظوریہ دو شاہدوں کو عیناً یا تسمیۃً معلوم ہو،

www.alahazratnetwork.org

في الهندية عن الذخيرة عن فتاوى ابي الليث رجل قال لقوم اشهدوا اني تزوجت هذه المرأة التي في هذا البيت فقالت المرأة قبلت فسمع الشهود مقالتها ولم يروا شخصها فان كانت في البيت وحدها جاز النكاح[3] اھ **قلت** فافادان الحجاب لا يغير المجلس وانما اشترط كونها

ہندیہ میں ذخیرہ سے اور انھوں نے فتاوٰی ابی اللیث کے حوالے سے ذکر کیا کہ ایک شخص نے لوگوں کو کہا کہ گواہ ہوجاؤ کہ میں نے اس کمرہ میں موجود عورت سے نکاح کیا اور عورت نے اندر سے جواب دیا کہ "میں نے قبول کیا"۔ گواہوں نے عورت کی یہ بات سُن لی اور عورت کو دیکھا نہیں، اگر عورت اس کمرہ میں اکیلی تھی تو نکاح ہوجائے گا الخ **قلت** (تو میں کہوں گا) حجاب مجلس کو تبدیل نہیں کرتا، صرف شرط یہ ہے کہ وہاں

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب النکاح الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۷۱
[2] شرح وقایہ " " مجتبائی دہلی ۲/۴
[3] فتاوٰی ہندیہ " الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۶۸

وحدها الا انه لم یسمها و تعریف الغائبة عند الاحتمال انما یکون بالتسمیة و ف الهندیة ایضا عن محیط السرخسی ان کانت حاضرة متنقبة ولا یعرفها الشهود جاز النکاح وهو الصحیح۔

عورت اکیلی ہو کیونکہ مرد نے اس کا نام ذکر نہیں کیا جبکہ شبہ کی صورت میں عورت غائبہ کی پہچان اس کے نام سے ہوتی ہے، اور ہندیہ میں محیط سرخسی سے بھی منقول ہے کہ اگر وہ نقاب اوڑھے مجلس میں حاضر ہو اور گواہ نام نہ جانتے ہوں تو بھی نکاح جائز ہوگا، یہی صحیح ہے۔ (ت)

اسی طرح قبول خاطب میں اتنا وقفہ کہ شخص مذکور وہاں سے اٹھ کر یہاں آیا اور قاضی سے وہ گفتگو ہوئی، گواہیاں لی گئیں، اس کے بعد خاطب سے کہا گیا تو اس نے قبول کیا کچھ مضر نہیں جبکہ مجلس قبول نہ بدلی کہ قبول فوراً ہونا ضرور نہیں فی رد المحتار عن البحر اما الفور فلیس من شرطه۔ (ردالمحتار میں بحر سے منقول ہے لیکن فوراً ہونا ضروری شرط نہیں اھ۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔